بھوپالی

پرندے زخم کھا کر اڑ رہے ہیں
ہواؤں کو پشیمانی بہت ہے
سید حسین احسن

نام مصنف ——— منظر بھوپالی

ولدیت ——— حضرت میر عباس علی

تعلیم ——— ایم۔اے

تصنیف ——— لہو رنگ موسم

اعزاز ——— حکومت ہند کی جانب سے اعزازی وظیفہ

سکونت ——— کائنات اے۔۳۲۷ ہاؤسنگ بورڈ کالونی عیش باغ بھوپال

سیاحت ——— امریکہ، سلطنت عمان، دبئی، شارجہ، العین، جدہ سعودی عرب، پاکستان قطر

دیگر تصانیف ——— یہ صدی ہماری ہے، "زندگی" (پاکستان)

سرورق ——— لیاقت حسین (دبئی)

خطاط ——— وکیل بستوی (بھوپال)

ترتیب ——— ظفر صہبائی، تبسم منظر

اشاعت اول ——— اکتوبر انیس سو چورانوے

قیمت ——— ۲۰ ڈالر یو ایس اے

ناشر ——— ہم ایک ہیں تنظیم بھوپال

زیر اہتمام ——— مخدوم زادہ مختار عثمانی ۲۲۲۴۔ چتلی قبر دلی

مطبوعہ ——— فاروقی پرنٹنگ ایجنسی دلی

منظر بھوپالی

إِذَا أَرْذَلَ اللّٰهُ عَبْدًا حَظَرَ عَلَيْهِ الْعِلْمَ

اللہ جس بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اُسے علم و دانش سے محروم کر دیتا ہے!

(حضرت علیؑ)

اِنتِسابُ !

مُحِسن و سرپرست

جنابِ محفوظ علی خانؔ

کے نام

جو "لہو رنگ موسم" کے

پیکر کی تعمیر میں شامل ہیں

اور جن کی سحر انگیز شخصیت نے

دُبئی میں اُردو اَدب کے

پروانوں کو زبان کی خدمت کے

جذبے سے

سرشار کیا ہے۔!

کوئی سبز منظر دکھائی نہ دے گا
لہو رنگ موسم ہے حدِ نظر تک
منظر بھوپالی

نئے وارثوں کی تلاش

اُردو قومی ایکتا کی علامت ہے، اُردو دِلوں کو جوڑنے والی زبان ہے۔ اُردو ہندوستان کی زبان ہے، اُردو برج نارائن چکبست، دیا شنکر نسیم، کرشن چندر اور رگھوپتی سہائے فراق کا بھی ورثہ ہے، اُردو کو دوسری زبانوں کی طرح پھلنے پھولنے کا موقع ملنا چاہیئے۔

اُردو کیلئے کی جانے والی ہر تقریر انھیں خوبصورت اور لچھے لچھے مکالمات سے بھری ہوتی ہے۔ سیاسی کشتیوں کے ملاح لنکا تک پہنچنے کیلئے اکثر اسی زبان کو پتوار بناتے ہیں۔ اگر اُردو زبان کیلئے کی جانے والی یہ تقریریں واقعی دُرست ہیں تو پوری ہندوستانی قوم ہاتھ اُٹھا کر کیوں نہیں کہتی کہ یہ ہماری زبان ہے ہم اس کے وارث ہیں۔ قومی ایکتا کی علامت: دلوں کو جوڑنے والی پیار محبت کی اس زبان کو ہمارے عظیم سیاستدانوں وعدوں کی جھولی سے نکال کر اس کا حق کیوں نہیں دیتے۔ اُردو زبان کے سارے ہمدرد آدھی صدی میں بھی اُسے دوسری زبان کا درجہ نہ دلا سکے۔ اُردو آزادی کے دن سے اب تک سیاسی وعدوں کی جھولی میں سڑ رہی ہے۔ قومی زبان کے ساتھ پنجابی، بنگالی، مراٹھی، تامل، تلگو، آسامی زبانیں ترقی کر رہی ہیں مگر اُردو بے چاری عتاب کا شکار ہے آخر کیوں۔؟ کیا ہندی میں لسانی تعصبات نے راستہ روک رکھا ہے۔ اگر نہیں تو پھر اُردو کو روزی روٹی سے کیوں نہیں جوڑا جاتا ہے۔ یہ زبان اُردو کے ادیبوں، [illegible] اور شاعروں

اداروں کی مالی امداد تک محدود کیوں ہے۔؟

جب یہ کہا جاتا ہے کہ اُردو سارے فرقوں کی زبان ہے تو پھر یہ فرقے اس زبان کے وارث ہونیکا اعلان کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ کسی ایک فرقہ کی زبان ہے تو وہ فرقہ اس کو اپنے دامن میں سمیٹنے کیلئے آگے کیوں نہیں بڑھتا۔ زبان ہر انسان کی قبیلے اور قوم کی بنیاد ہے۔ ہر انسان کوئی نہ کوئی زبان بولتا ہے اور اُسے اپنا کہتا ہے۔ ان وارثوں کے دم سے ہی زبان اپنا سفر جاری رکھتی ہے، مگر اُردو غلط بیانیوں کے بھنور میں پھنسی ایک لاوارث زبان بنتی جا رہی ہے۔ اسے اپنے سچے وارثوں کی تلاش ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کا مذہبی اور ادبی سرمایہ اسی زبان میں ہے تو کیا ایمان کو ٹھیس لگنے کے ڈر سے اسے اپنا نہیں کہتے۔ اکثریت کے پاس اپنی قدیم ترین مالدار زبان موجود ہے جو اس کے کلچر میں رچی بسی ہے وہ بھی اُردو کو اپنانے کیلئے تیار نہیں۔ صوبائی زبانوں کے بولنے والے بھی اپنی اپنی زبانوں کے تحفظ میں مصروف ہیں اُن کو اُردو کی کیا پڑی۔ لے دیکے اس وراثت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہی آتی ہے۔ اب ہمیں چاہیئے کہ ساری غلط بیانیوں کے جھنجھٹ توڑ کر اُردو کے وارث ہونیکا اعلان کریں۔ اگر اسکولوں میں اسے زندہ نہیں رکھ سکتے تو اپنے گھروں میں اس کو رواج دیں۔ روزی روٹی کا نہ سہی اسے اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنالیں۔ حکومتوں نے آج تک کسی زبان کو زندہ نہیں رکھا۔ اُردو زبان کو بھی اس کے بولنے والے ہی نئی زندگی دے سکتے ہیں۔ اُردو اپنی درد بھری آواز میں کرہ کر پکار رہی ہے، بتاؤ میرا وارث کون ہے؟ میں کس بیٹے کی ماں ہوں؟ میں کس گھر کی بہو ہوں؟ میرا شہر میرا وطن کہاں ہے؟ مجھے میرے وارثوں کی تلاش ہے۔ اے میرے وارثو آؤ! مجھے اپناؤ تم زندہ بھی ہو کہ مر چکے۔ میرے وارثو زندگی کا ثبوت دو۔!

اُردو زبان کی اُکھڑتی سانسوں اور وارثوں کی تلاش کے اس اذیت ناک مرحلے میں عالمی بدامنی، بے اطمینانی، بے چینی، بے یقینی، دہشت گردی اور دنیا کو تباہ کردینے والی ایٹمی جنگوں کی منصوبہ بندی کے درمیان "بورنگ موسم" کا جنم ہوا ہے۔ یہ وقت ایسا ہے کہ انسان کا مال اور

مستقبل ایک ایسے بنجر رنگ موسم کی لپیٹ میں آچکے ہیں جس کی فصیل میں اب نجات کا کوئی در کھل جانا معجزہ سے کم نہ ہوگا۔ آج امن و سکون کے ایک ایک لمحے کو انسان ترس رہا ہے۔ کوئی گوشہ محفوظ نہیں، ساری انسانیت عدم تحفظ کا شکار ہے۔ امن کا پیاسا انسان اپنے خشک گلے سے پیاس پیاس پکارتا ہے مگر اوس کی بوندیں بھی اُسے میسر نہیں کہ وہ حلق تر کر سکے۔ چاروں طرف کربلا کا عالم ہے۔ خون میں نہائی اس بے بس لاچار دنیا اور اس میں ہونے والی ناانصافیوں، مظالم، استحصال کے خلاف "بنجر رنگ موسم" میرا اخلاقی جہاد ہے۔ یہ منظرنامہ ہے نئی نسل کی سوچ و فکر کا جو اس وقت ابتلا و آزمائش کے کڑے امتحان سے گزر رہی ہے۔ کیونکہ ایک طرف سیاسی طاقتیں اپنے مفادات کی تکمیل کیلئے اشتعال انگیز حالات پیدا کر کے اُسے تخریب کاری کی طرف کھینچ رہی ہیں۔ دوسری جانب ایک غیر یقینی مستقبل اژدھے کی طرح منہ کھولے سوالیہ نشان بن کر اس کے سامنے کھڑا ہے۔

میں نے نئی نسل کا نمائندہ ہونے کے ناطے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس موسم کی درندگی اور تلخیوں کو جس قدر اور جیسا محسوس کیا اُس کی آڑی ترچھی تصویریں اپنی شاعری میں کھینچ دی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہنرمند فنکاری دکھانے کا نہیں بلکہ نفسی کیفیات اور موجودہ صورتحال کو شاعرانہ شکل دینے کے کمال کا متقاضی ہے۔ میں نے بیشتر رومانیت سے گریز کیا ہے اور حقیقت حال سے اپنے اشعار سجائے ہیں۔ اچھے بُرے، معیاری، غیر معیاری کا فیصلہ اب قارئین کے ذمے ہے۔!!

منظر بھوپالی

نعت پاک

(مدینے میں پہلی حاضری کا شرف ملنے پر)

سخنوری نے مدینہ دکھا دیا مجھ کو
مری نجات کا زینہ دکھا دیا مجھ کو

وہ جسکو دوش پہ طوفان لیکے چلتے ہیں
وہ رحمتوں کا سفینہ دکھا دیا مجھ کو

سر اپنا سبطِ محمدؐ نے رکھ کے نیزے پر
فرازِ دین کا زینہ دکھا دیا مجھ کو

مرے حضورؐ نے بن کر قرآن کی تفسیر
عمل سے سارا قرینہ دکھا دیا مجھ کو

بروزِ حشر جو کام آئیگا خدا کے حضورؐ
نصیب نے وہ نگینہ دکھا دیا مجھ کو

نبی جی اب مجھے دیدار بھی عطا کیجے
یہ کیا کہ صرف مدینہ دکھا دیا مجھ کو

زبانِ ہند ہے اُردو

زبانِ ہند ہے اُردو، تو ماتھے کی شکن کیوں ہے
——— وطن میں بے وطن کیوں ہے

مری مظلوم اُردو تیری سانسوں میں گھٹن کیوں ہے
ترا لہجہ مہکتا ہے تو لفظوں میں تھکن کیوں ہے
اگر تو پھول ہے تو پھول میں اتنی چبھن کیوں ہے
——— وطن میں بے وطن کیوں ہے

یہ نانک کی، یہ خسرو کی، دیا شنکر کی بولی ہے
یہ دیوالی، یہ بیساکھی، یہ عید الفطر، ہولی ہے
مگر یہ دل کی دھڑکن آجکل دل کی جلن کیوں ہے
——— وطن میں بے وطن کیوں ہے

جو نازوں سے پلی تھی میرؔ کے غالبؔ کے آنگن میں
جو سورج بن کے چمکی تھی کبھی محلوں کے دامن میں
وہ شہزادی زبانوں کی یہاں بے انجمن کیوں ہے
———— وطن میں بے وطن کیوں ہے

محبت کا سبھی اعلان کر جاتے ہیں محفل میں
کہ اس کے واسطے جذبہ ہے ہمدردی کا ہر دل میں
مگر حق مانگنے کے وقت یہ بیگانہ پن کیوں ہے
———— وطن میں بے وطن کیوں ہے

یہ دوشیزہ جو بازاروں سے اِٹھلاتی گزرتی تھی
لبوں کی نازکی جس کی گلابوں سی نکھرتی تھی
جو تہذیبوں کے سر کی اوڑھنی تھی اب کفن کیوں ہے
———— وطن میں بے وطن کیوں ہے

محبت کا اگر دعویٰ ہے تو اس کو بچاؤ تم
جو وعدہ کل کیا تھا آج وہ وعدہ نبھاؤ تم
اگر تم رام ہو تو پھر یہ راون کا چلن کیوں ہے
———— وطن میں بے وطن کیوں ہے

یہ تاج یہ عظمتوں کا یوں ہی نہیں مِلا ہے
اللہ کا کرم ہے ماں باپ کی دُعا ہے

سڑکوں پہ بہنے والا یہ خوں پکارتا ہے
اِنساں کو بچا لو اِنساں مر رہا ہے

سب لفظ دوستی کے ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں
کہنے کو کیا بچا ہے، سُننے کو کیا رکھا ہے

برسوں کی آرزوئیں، برسوں کی محنتیں تھیں
اور لوگ کہہ رہے ہیں اک جھونپڑا جلا ہے

اُوڑھے رہو نقابیں، پہنے رہو مکھوٹے
کس کا ہے رُوپ کیسا آئینہ جانتا ہے

رکھیئے قدم زمیں پر، آکاش میں نہ اُڑیئے
وہ اُٹھ نہیں سکا جو اُونچائی سے گرا ہے
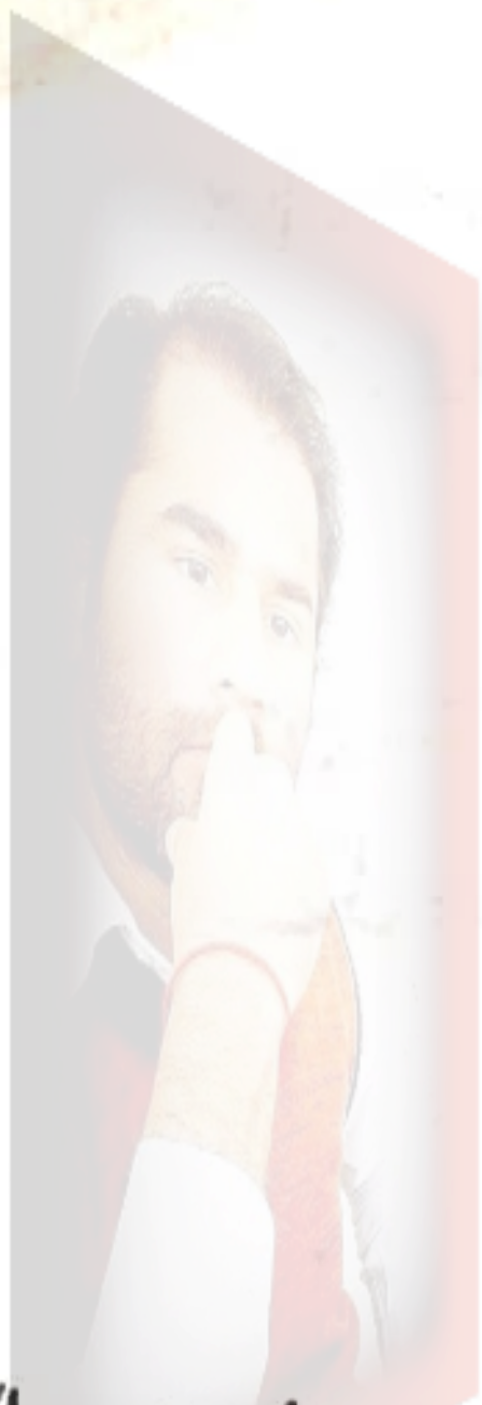
کرے کیا حقیقت کا اظہار دلّی
کہ اب ہو گئی ہے اداکار دلّی

کہاں یہ سیاسی فقیروں کی بستی
کہاں میر و غالب کی خوددار دلّی

یہ پنجاب و آسام و کشمیر کیا ہیں
اُٹھاتی ہے ہر گھر میں دیوار دلّی

لگے زخم اتنے کہ سہنا ہے مشکل
تجھے اہلِ دل کا نمسکار دلی

طوائف ہے یہ، سیم و زر چاہتی ہے
نہیں آنسوؤں کی خریدار دلی

یہ بھوپال، میرٹھ کا دُکھ کیا سُنے گی
کہ ہے اندھے بہروں کا دربار دلی

یہ باتیں بنانا بھلا دے گی منظر
کرے گی وہ تیروں کی بوچھار دلی
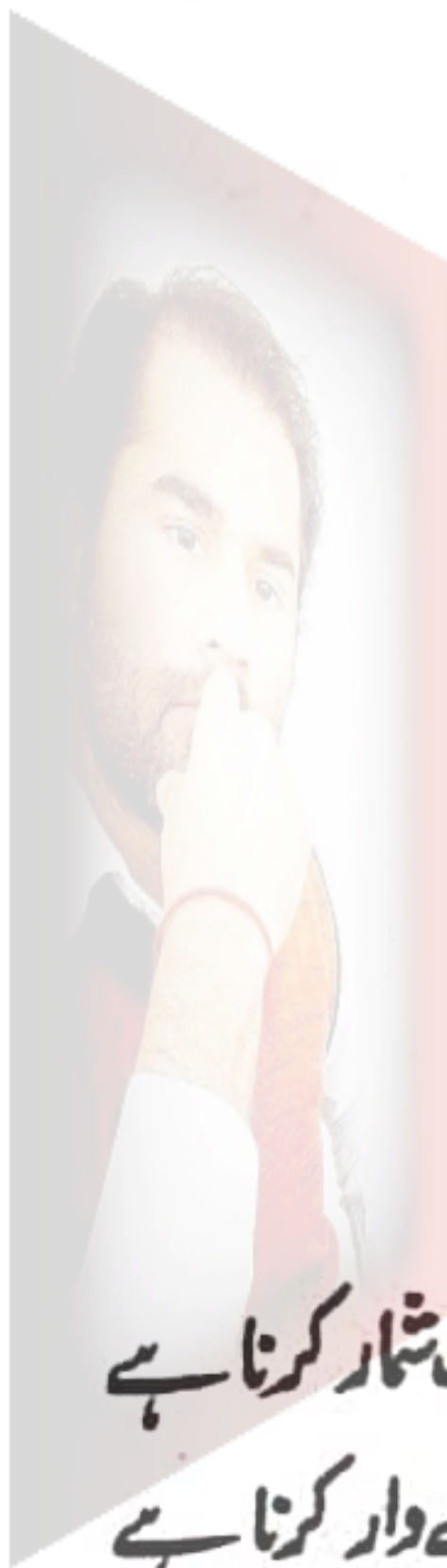
ہمارے زخم اُسے کب شمار کرنا ہے
قریب آ کے بہانے سے وار کرنا ہے

جتانا چاہتا ہے وہ کہ اب میں حاکم ہوں
نشانہ اُس کا مجھے بے وقار کرنا ہے

سیاسی لوگوں سے خدمت کا نام مت لینا
کہ پانچ سال انھیں کاروبار کرنا ہے

ہمارا نعرہ فقط لَا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ
اب آ کے وار کرے جس کو وار کرنا ہے

یہ سارا شور تو جنگل میں بے معانی ہے
اُسے تو صرف ہمارا شکار کرنا ہے

میں جانتا ہوں ہواؤں کے سارے منصوبے
لباس پھولوں کے اب تار تار کرنا ہے

ظُلم ہیں اعتبار سے باہر
غم ہیں اب کے شمار سے باہر

سوچنا کفر ہے محبّت میں
آ بھی جاؤ حصار سے باہر

میری گُستاخیاں معاف کریں
دل ہے اب اختیار سے باہر

اور بھی آسمان باقی ہیں
دیکھئے تو حصار سے باہر

خوابُ اُس نے دِکھائے تھے ورنہ
کبُ خزاں تھی بہار سے باہر

زندگی سے وفا پڑی مہنگی
زخم پائے شمار سے باہر

وفا، خلوص، طرفداریاں نہیں چلتیں
ہمارے ساتھ یہ بیماریاں نہیں چلتیں

یہ آئینہ ہے صداقت بیان کرتا ہے
کہ اس کے آگے اداکاریاں نہیں چلتیں

یہ بھوکے پیٹ تو روٹی سے مطمئن ہوں گے
یہاں تسلیاں، دِلداریاں نہیں چلتیں

جبیں جھکانی ہی پڑتی ہے حسن کے آگے
اُس آستانے پہ خودداریاں نہیں چلتیں

یہ حوصلہ ہو تو میدان میں اُتریئے گا
بغیر سر دیئے سرداریاں نہیں چلتیں

یہی سُنا تھا بڑوں سے، یہی سمجھتے تھے
عدالتوں میں طرفداریاں نہیں چلتیں
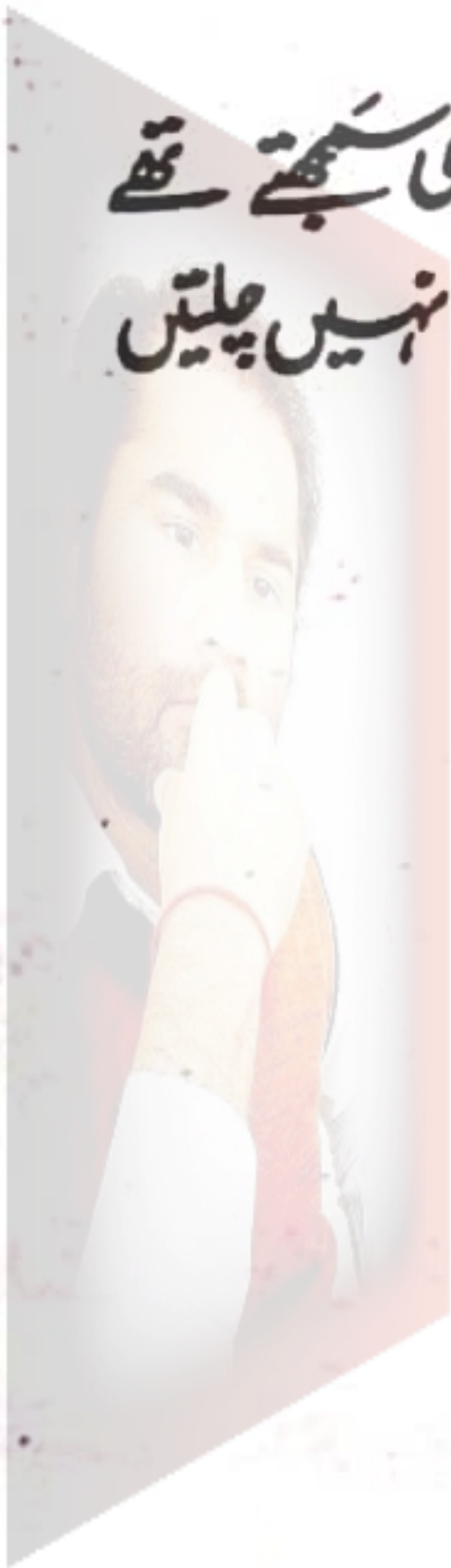
اب کے سال کا موسم کیسا وبال لے آیا
میں عُروج لایا تھا، وہ زوال لے آیا

اُس کا پھُول رُوتا ہے دوسرے کے گملے میں
بیچ کر ضمیر اپنا، وہ ریال لے آیا

سیٹھ جی کی عیّاشی کر گئی اُنھیں پاگل
اُن کی اپنی بیٹی کو جب دلال لے آیا

جا کے اُن کی محفل میں اُلجھنیں ہی بڑھتی ہیں
کچھ جواب لینے تھے، کچھ سوال لے آیا

مجھ میں اور شہادت میں دو قدم کی دوری تھی
دشمنوں کے نرغے سے وہ نکال لے آیا
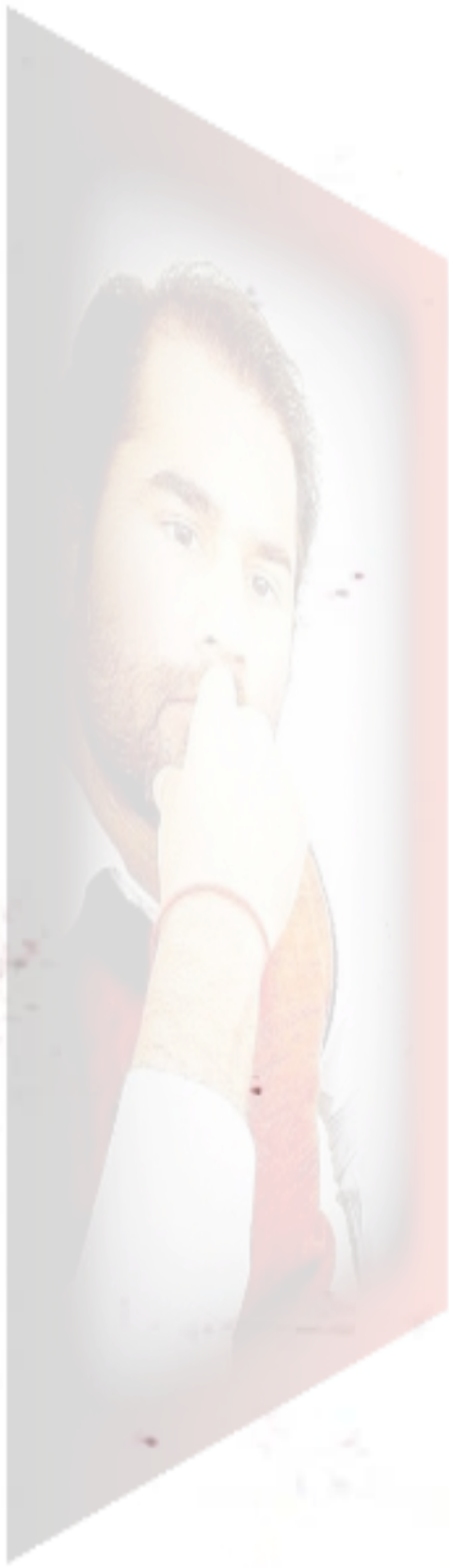
بڑے ہنر سے ہمارا مکان بیچ دیا
سیاسی لوگوں نے ہندوستان بیچ دیا

کچھ ایسے آدمی بننے کے شوق میں ڈوبے
کہ اپنے حصّے کا سب آسمان بیچ دیا

شکم کی آگ بجھانے میں جل گیا سب کچھ
ذرا میں نام و نسب خاندان بیچ دیا

اک عمر بھر کے لئے ہم ہیں دھوپ کے قیدی
مِلا تھا ورثے میں جو سائبان بیچ دیا

گرہ میں کچھ نہیں افسوس کے سوا باقی
زبان بیچی، شعورِ زبان بیچ دیا
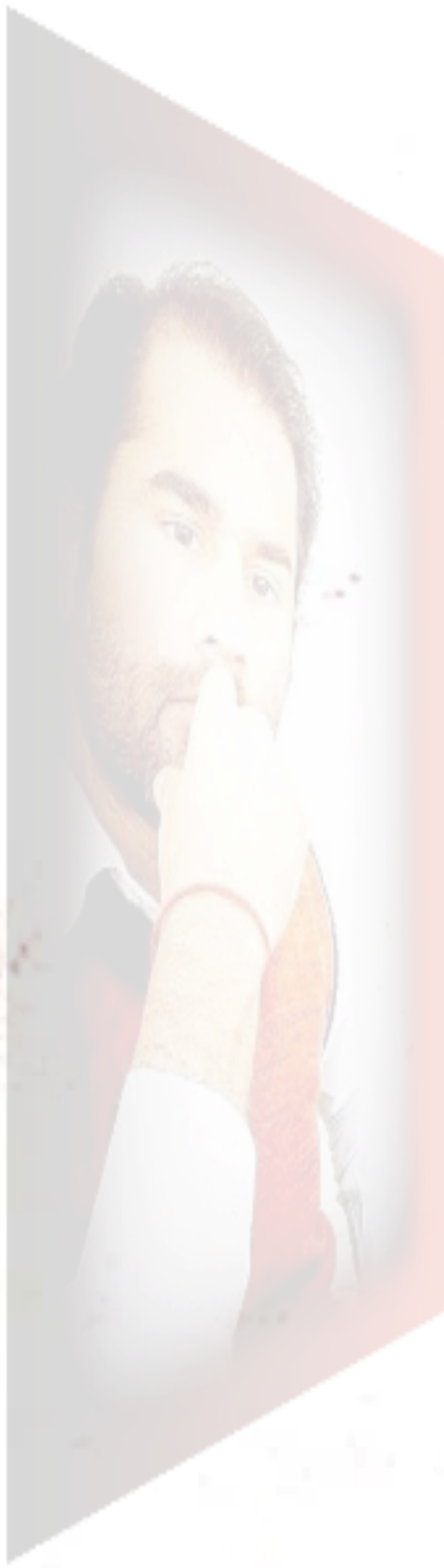
تمام عمر لڑائی لڑو اُصولوں کی
جو جی سکو تو جیو زندگی رسولوں کی

میں قبر تک تو گھسیٹا گیا ہوں کانٹوں پر
مرے مزار پہ چادر چڑھاؤ پھولوں کی

یہ اس زمیں کو ہُوا کیا لہو کی پیاسی ہے
کبھی تھے میلے یہاں پر رُتیں تھیں پھولوں کی

بنا رہے ہو ہر اِک شہر کو تمہیں مقتل
دُہائی دیتے ہو کیا امن کے اُصولوں کی

چمن سے پھینک دو، صحرا میں پھر بھی مہکیں گے
بدل سکو گے نہ فطرت کبھی بھی پھولوں کی

ہَوا کے دم سے یہ اِترا رہے ہیں صحرا میں
کوئی بِساط نہیں ورنہ اِن بگولوں کی

تمہارے جسم کی خوشبو ہے کائنات کا حُسن
تمہارے سامنے اوقات کیا ہے پھولوں کی

وفائیں کر کے بھی ہم بے وفا ہی کہلاتے
سزائیں ہیں یہ بزرگو! تمہاری بھولوں کی

کہاں کی دوستی ڈھونڈے سے اپنا پن نہیں ملتا
ہمارے آنسوؤں کو اب کوئی دامن نہیں ملتا

زمینیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں نسلِ انساں پر
مکاں ملتے ہیں شہروں میں مگر آنگن نہیں ملتا

ہمارے عہد کے بچے تو گم ہیں فکرِ روزی میں
وہ کیا کھیلیں کھلونوں سے جنھیں بچپن نہیں ملتا

سمجھنے ہی نہیں دیتی سیاست ہم کو سچائی
کبھی چہرہ نہیں ملتا، کبھی درپن نہیں ملتا

تجارت میں بدل ڈالا دلوں کے پاک رشتوں کو
قیامت ہو گئی سجنی کو اب ساجن نہیں ملتا

ہمارے ملک کے مندر تو دلہن بن گئے لیکن
ہماری بیٹیوں کے ہاتھ کو کنگن نہیں ملتا

امیرِ شہر ننگے جسم کیا کپڑوں سے ڈھانپے گا
یہاں تو آرزوؤں کو بھی پیراہن نہیں ملتا

ہزاروں میل تک آبادیوں نے کھا لئے جنگل
کہیں بے گھر پرندوں کو کوئی مسکن نہیں ملتا

ہم بُرے ہیں پہ اتنا بُرا مت کہو
ہم کو گالی تو دو، رہنما مت کہو

مسندیں، کُرسیاں چند روزہ ہیں سب
اُن پہ بیٹھے ہوؤں کو خدا مت کہو

تم کروڑوں غریبوں کا دھن کھا گئے
اور کہتے ہو ہم کو بُرا مت کہو

اپنی بربادیوں کو کہو حادثہ
وہ بگڑ جائیں گے سانحہ مت کہو

کر کے بے بس ہمیں یہ بھی تلقین ہے
خود کو مجبور و بے دست و پا مت کہو

راہ پر اُس کی اخبار بھی چل پڑے
جو کیا مت لکھو، جو ہوا مت کہو
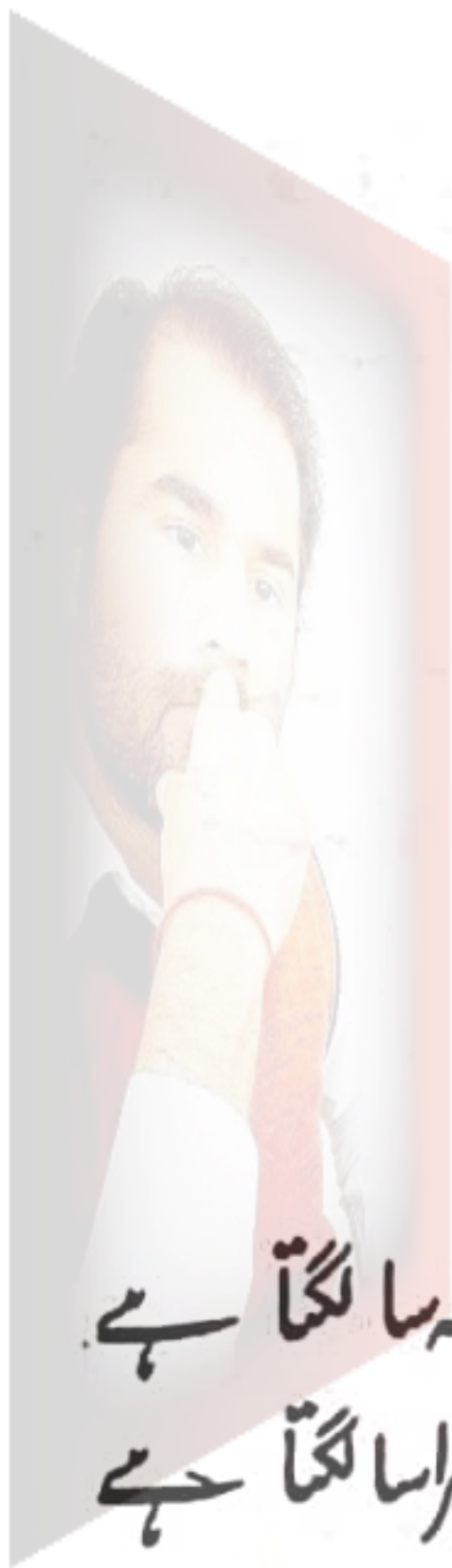
بدلتے وقت کا اِک سِلسلہ سا لگتا ہے
کہ جب بھی دیکھو اُسے دوسرا سا لگتا ہے

تمہارا حُسن کِسی آدمی کا حُسن نہیں
کِسی بزرگ کی سچّی دُعا سا لگتا ہے

تری نِگاہ کو تمیز رنگ و نور کہاں
مجھے تو خون بھی رنگِ حنا سا لگتا ہے

دماغ و دل ہوں اگر مطمئن تو چھاؤں ہے دھوپ
تھپیڑا لُو کا بھی ٹھنڈی ہوا سا لگتا ہے

وہ چھت پہ آگیا بے تاب ہو کے آخر کار
خدا بھی آج شریکِ دُعا سا لگتا ہے

تمہارا ہاتھ جو آیا ہے ہاتھ میں میرے
اب اعتبار کا موسم ہرا سا لگتا ہے

نکل کے دیکھو کبھی نفرتوں کے پنجرے سے
تمام شہر کا منظر کھلا سا لگتا ہے

طاقتیں تمہاری ہیں، پر خدا ہمارا ہے
عکس پر نہ اِتراؤ آئینہ ہمارا ہے

آپ کی غلامی کا بوجھ ہم نہ ڈھوئیں گے
آبرو سے مرنے کا فیصلہ ہمارا ہے

کوئی بھی ہمیشہ تو جنگ لڑ نہیں سکتا
تم بھی ٹوٹ جاؤ گے تجربہ ہمارا ہے

ڈوبنے لگے جب ہم، تب کھُلا فریب اُسکا
ہم تو یہ سمجھتے تھے ناخدا ہمارا ہے

دوستی سے رہنے میں عافیت ہے دونوں کی
کچھ بھلا تمہارا ہے، کچھ بھلا ہمارا ہے

غیرتِ جہاد اپنی زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کر لو، دوسرا ہمارا ہے
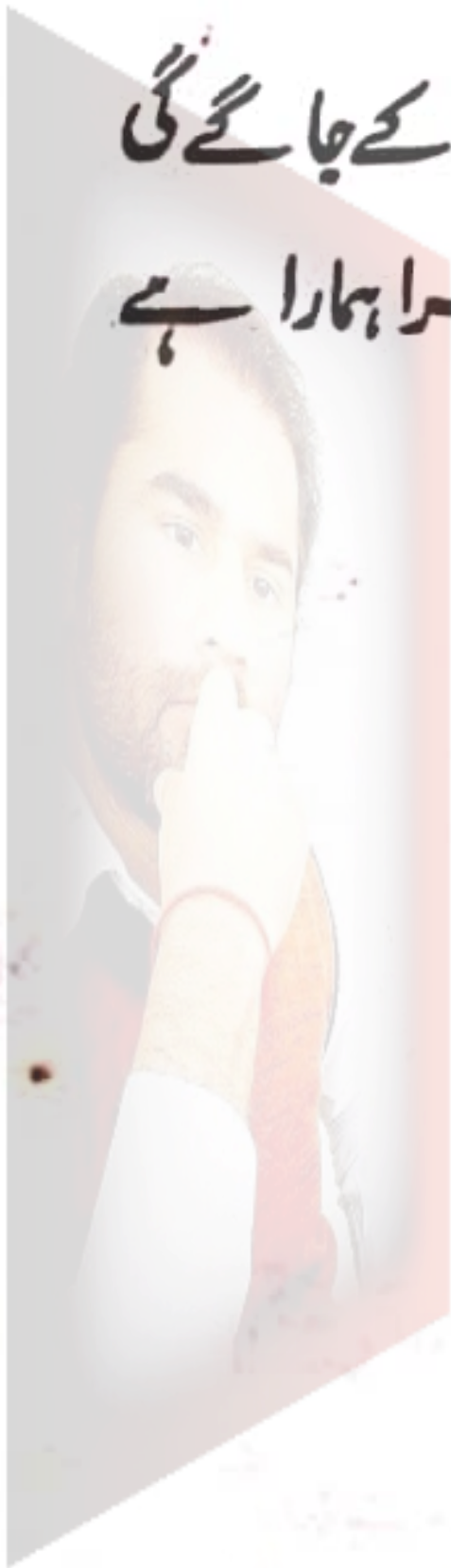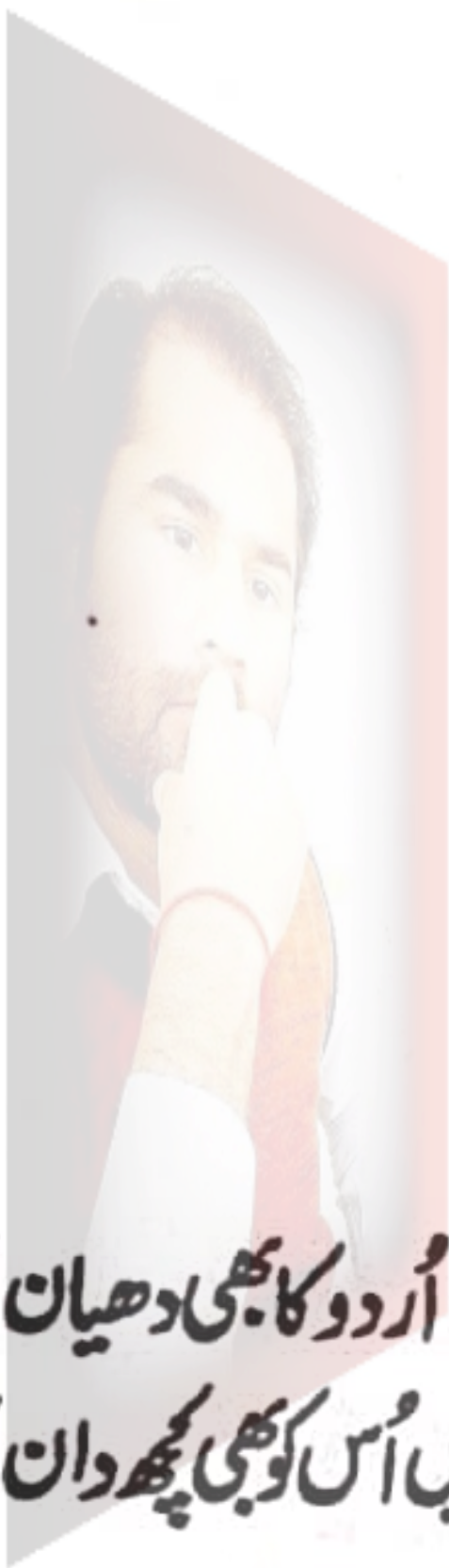
غالب، میرؔ کو بیچنے والو ! اُردو کا بھی دھیان کرو
جس پر تم نے عیش کئے ہیں اُس کو بھی کچھ دان کرو

اُن کے پاس نہیں رہتا کچھ، جن سے زباں چھن جاتی ہے
کر کے حفاظت اپنی زباں کی جینے کا سامان کرو

ہاتھ نہیں آ سکتی کبھی یہ سچّائی، ایمان کے ساتھ
دُنیا کو گر پانا ہے تو، دل کو بے ایمان کرو

اب تو سیاست کی مسجد میں بن بیٹھے ہیں سب ہی امام
کس کس کو آنکھوں پہ بٹھاؤ! کس کس کا سمّان کرو

نفرت کے ماحول میں جینا ہم کو تو منظور نہیں
پیار کرو یا زہر پلا دو بس اتنا احسان کرو
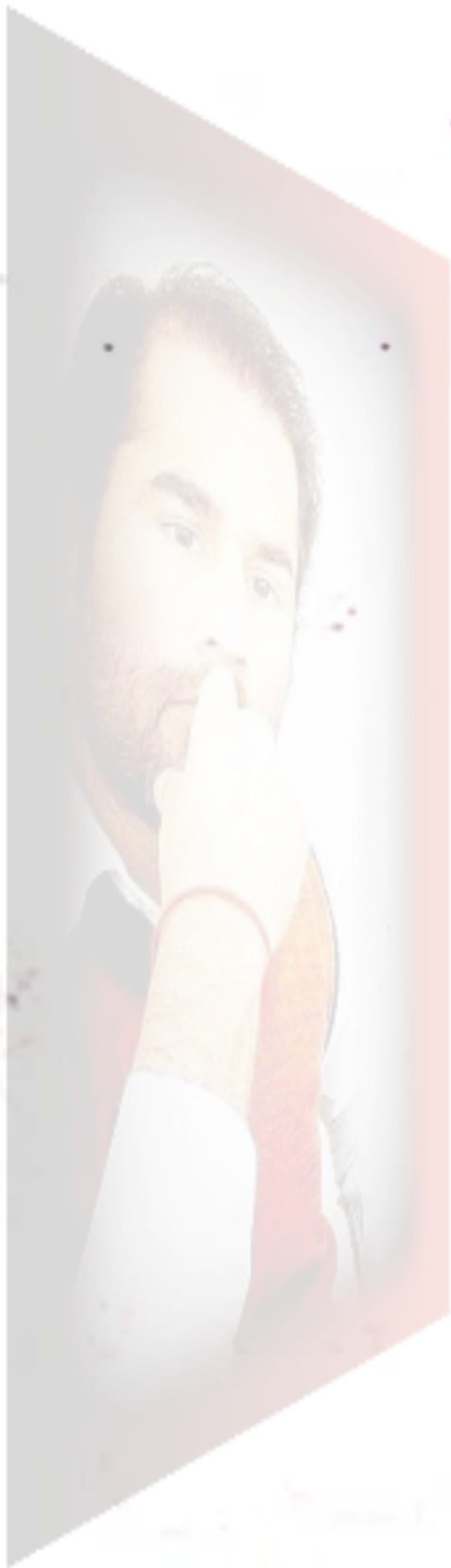
جس کو ہم شعلہ بناتے وہ شرر پانی کیا
آنسوؤں نے آج تو خونِ جگر پانی کیا

صرف اک پیاسے سے ہاری اور پانی ہوگئی
پیاس جس نے اچھے اچھوں کا جبر پانی کیا

پھول کھلنے کی جہاں امید کھو بیٹھے تھے سب
ہم نے اُن بنجر زمینوں کا جگر پانی کیا

جو نہ مِلتا تھا وہ اب مِلنے لگا ہے ٹوٹ کر
سنگ کو اپنی وفا نے سر بسر پانی کیا

اک یہی اُس کی نِشانی رہ گئی تھی اپنے پاس
تو نے دل کو بھی ہمارے چشمِ تر پانی کیا

داغ دُھل جائیں گے منظر اپنے دامن کے تمام
اُس کی رحمت کو ندامت نے اگر پانی کیا
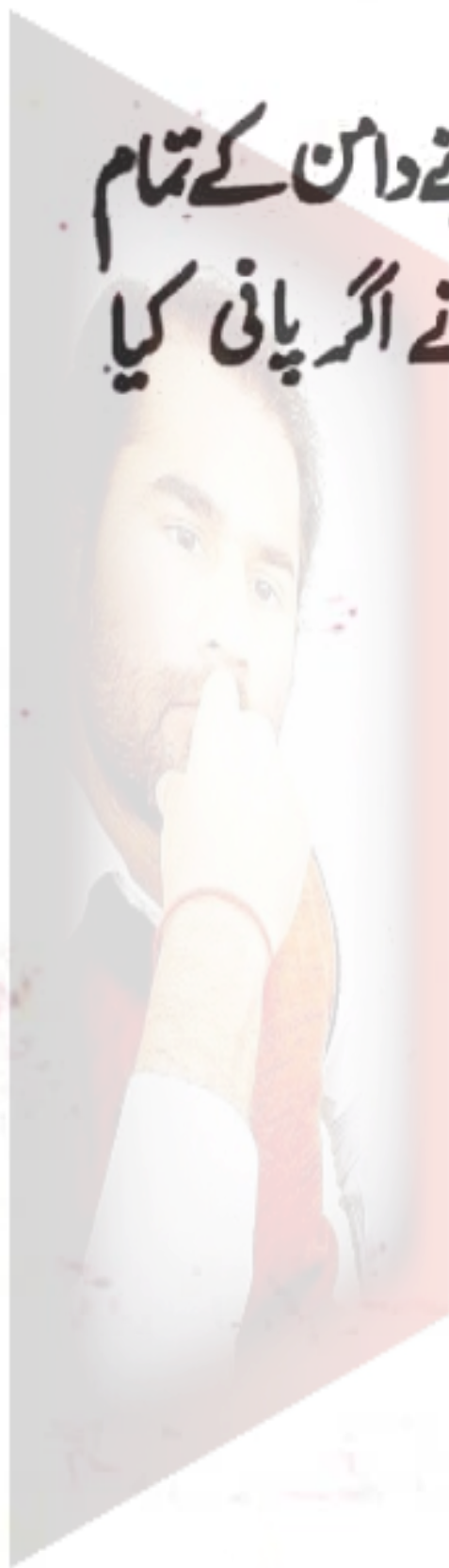
بھلے نہ اپنے گھر کو ہم اونچی اڑان میں
یعنی زمین ساتھ رہی آسمان میں

اب کس لئے قطار لگائے ہوئے ہیں لوگ
غم بک رہے ہیں اب تو خوشی کی دوکان میں

میرا کا غم سلگتا ہے سانسوں میں کرشن کی
رادھا کا دل دھڑکتا ہے بنسی کی تان میں

آنسو ہمارے پاس ہیں دریا ہے اُسکے پاس
کیسے بجھائیں آگ لگی ہے مکان میں

طوفان سے بچانے اب آتا ہے ناخدا
نادان لوگ ڈوب گئے، اس گمان میں

یہ مت سمجھیئے آپ کی باری نہ آئے گی
اُس نے بہانے کھینچ رکھے ہیں کمان میں

وہ ہم کو خود ہی جامِ شہادت پلائے گا
جس دن بھی کامیاب ہوئے امتحان میں

احباب مانگنے لگے رشتوں کی قیمتیں
شاید ہم آ گئے کسی اُونچی دُکان میں

ہم نے اُنھیں سیدھا کبھی چلتے نہیں دیکھا
فطرت کو سپنولوں کی بدلتے نہیں دیکھا

پڑھتے ہیں مزے لے کے فسادوں کی وہ خبریں
گھر اپنا جنھوں نے کبھی جلتے نہیں دیکھا

اُس شخص کی پہچان بتانا تو ہے مشکل
کیا آپ نے کرلوں کو مچلتے نہیں دیکھا

دو دن کی حکومت پہ تجھے زعم ہے اتنا
راون کو بلندی سے پھسلتے نہیں دیکھا

حیران ہوں کیوں مجھ پہ کرم کرنے لگے ہیں
زہراب کو تاثیر بدلتے نہیں دیکھا

سنتے ہیں بہت دن سے ترقی کی کہانی
گلشن کو مگر پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

وہ کہتے ہیں سچائی کو جھٹلاتے منظر
کیسے کہوں سورج کو نکلتے نہیں دیکھا
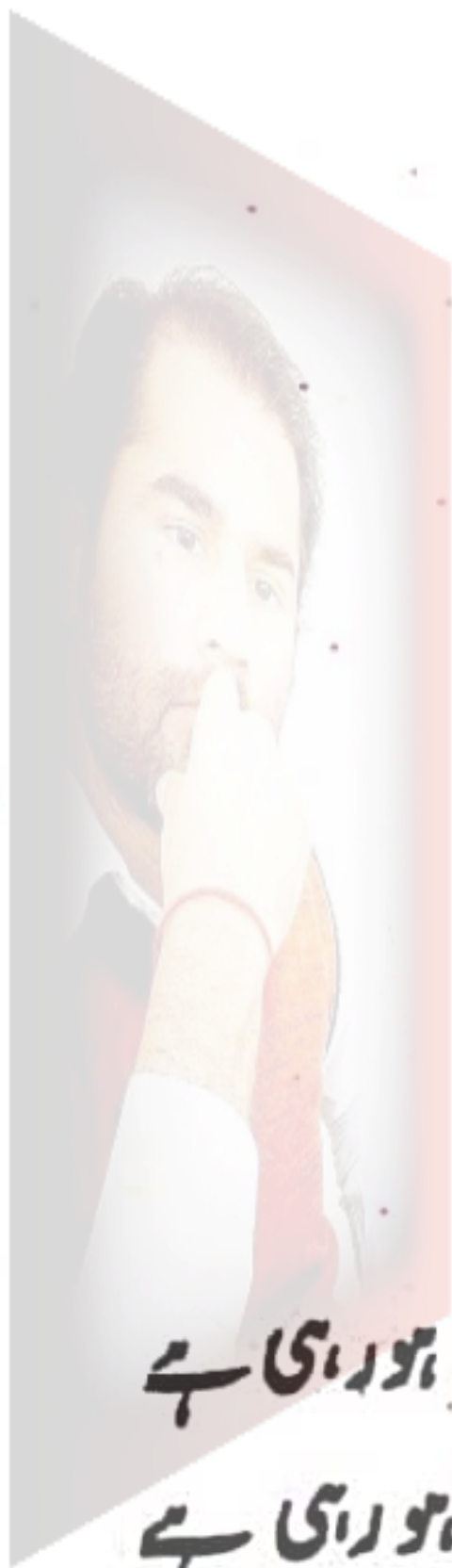
ہوا ماچس کی تیلی ہو رہی ہے
کراچی لال پیلی ہو رہی ہے

تمہیں دعویٰ ہے خوشیاں بانٹنے کا
یہاں ہر آنکھ گیلی ہو رہی ہے

بسنت آیا ہے دل کا، باغ دل میں
قبا سرسوں کی پیلی ہو رہی ہے

ذرا احباب سے محتاط رہنا
زباں سب کی نکیلی ہو رہی ہے

اُڑانوں کے مزے بھی آ رہے ہیں
ہَوا جتنی ہٹیلی ہو رہی ہے
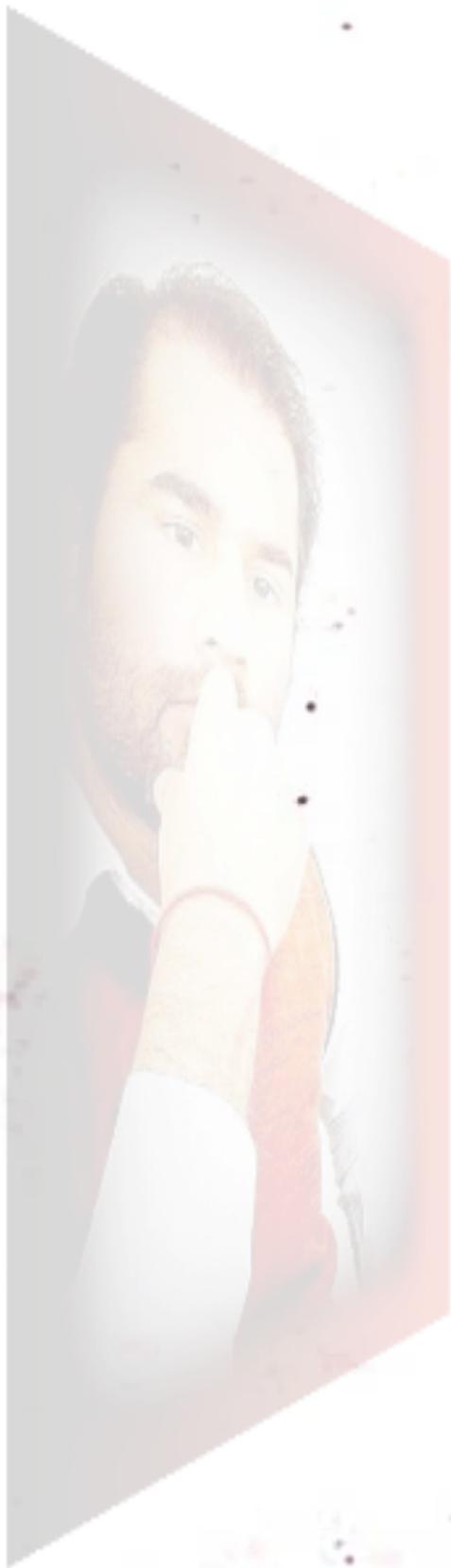
لگاؤ دیر نہ اب دل صاف کرنے میں
بھلا سبھی کا ہے یارو معاف کرنے میں

یہی تو ایک خزانہ ہے جیب میں تیری
رفاقتیں نہ بھلا! اختلاف کرنے میں

غریب لوگوں کو وعدوں کی دھوپ دے کے
ٹھٹھر گئے ہیں ردا کو لحاف کرنے میں

یہ سچ کا زہر وہ اک دم تو پی نہیں سکتا
لگے گا وقت اُسے اعتراف کرنے میں

اُنھیں کو قتل کریں گی یہ ساری تلواریں
لگے ہوئے ہیں جو تلواریں صاف کرنے میں

تباہیوں پہ اب آنسو بہا رہے ہیں وہی
شریک تھے جو ہوا کو خلاف کرنے میں

بڑا ہے کام جو اُن نشتروں کو توڑ سکیں
جو چوکتے نہیں منظر شگاف کرنے میں

شاعری نہیں کرتے آئینہ دِکھاتے ہیں
ہم تو بھولے بھٹکوں کو راستا دِکھاتے ہیں

میں کسی روایت کی راہ چل نہیں سکتا
کیوں یہ رہ نما مجھکو نقشِ پا دکھاتے ہیں

مہربانیاں اپنی تم نے تو گِنا ڈالیں
آؤ ہم بھی زخموں کا سِلسلہ دکھاتے ہیں

اُن کے سب گناہوں کو جانتے ہیں ہم پھر بھی
پارسائیاں اپنی، پارسا دِکھاتے ہیں

مذہبوں سے، فرقوں سے کیا غرض ہمیں منظرؔ
ہم تو بس محبّت کا راستا دکھاتے ہیں
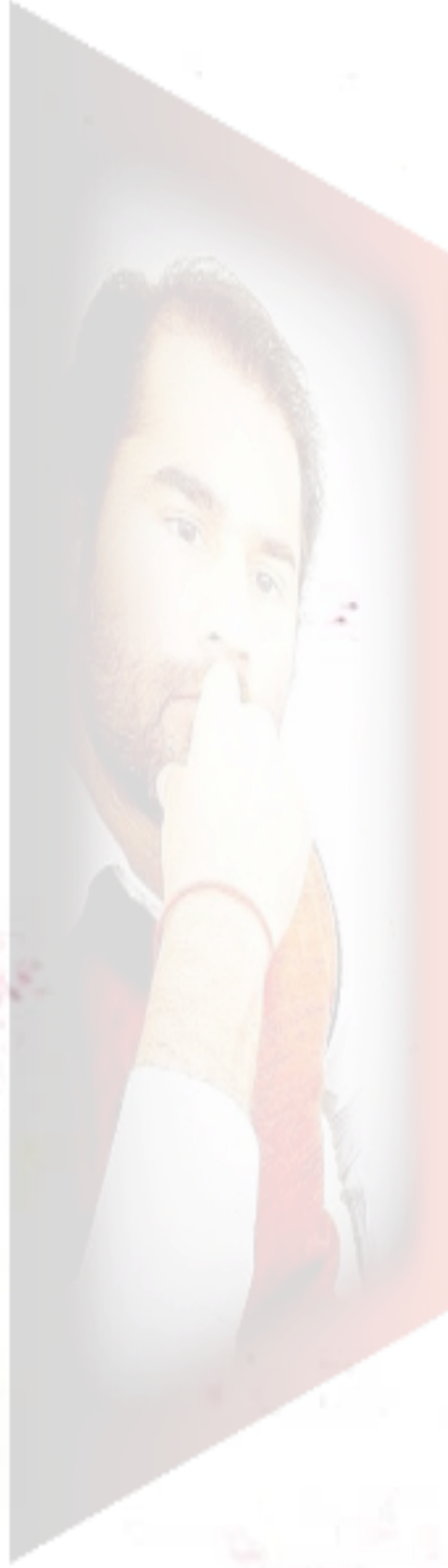
آسیب مسئلوں کے مرے آس پاس رکھ
اے زندگانی یوں ہی مجھے بد حواس رکھ

گھر کی ضرورتوں کے تقاضے کچھ اور تھے
دل اُس سے کہہ رہا تھا کہ عزّت کا پاس رکھ

وہ پیڑ کٹ چکے جو مُسافر نواز تھے
سُورج کے اس نگر سے نہ سائے کی آس رکھ

مٹی ہے یہ تو، مٹی میں ملنا ہے ایک دن
کتنا ہی اپنے جسم کو تو خوش لباس رکھ

اکثر دھڑکنے لگتا ہے دل پتھروں میں بھی
آنکھوں میں آنسو، لب پہ ذرا التماس رکھ

سائے مجھے پکار رہے تھے کہ آ مگر
تقدیر بولی دھوپ تلے ہی نواس رکھ

گھبراتا کیوں ہے تیروں کی بوچھار دیکھ کر
بچنے کے بھی مواقع بہت ہیں تو آس رکھ

کچھ نہیں صرف یہ خرابی ہے
گھر کا شیشہ بڑا حسابی ہے

جسم تو جسم رُوح بھی زخمی
آج دُنیا بہت عذابی ہے

آن میں نور، آن میں شعلہ
ہر اُدا اُس کی اِنقلابی ہے

جو بڑھے روند کر زمانے کو
اُس کے حصے میں کامیابی ہے

دل کے رِشتوں کا دَور ختم ہوا
دل کا رِشتہ بھی اب عذابی ہے

کوئی بھی اُس سے سچ نہیں کہتا
سب نے ہونٹوں میں بات دابی ہے

کیسے اچھے بُرے کی ہو تمیز
شہر کا شہر ہی شرابی ہے
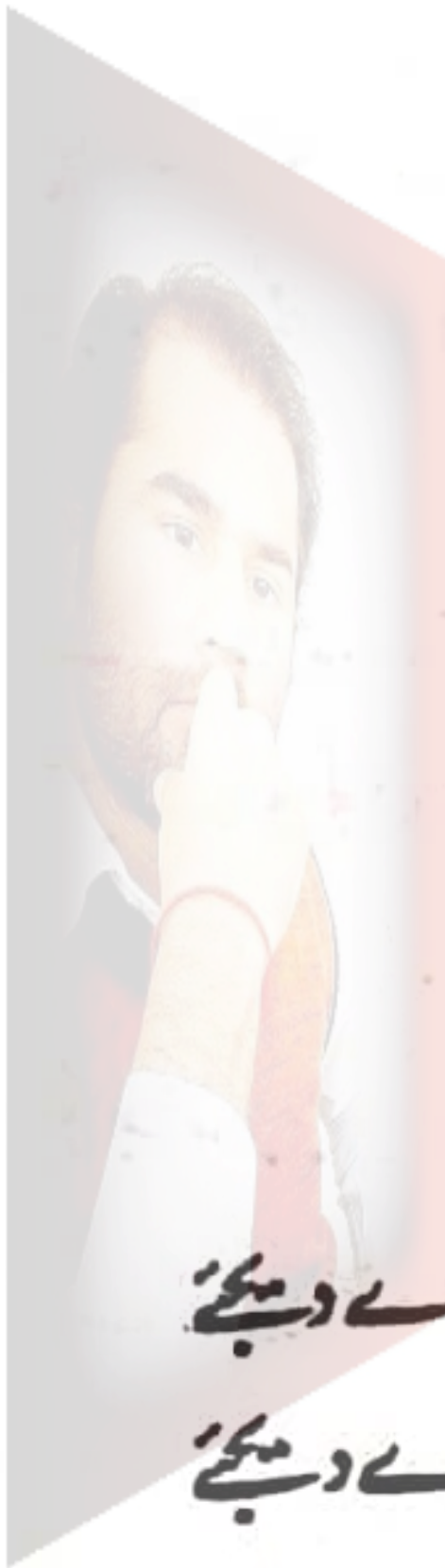
آپ خوابوں کو حقیقت کا پتا دے دیجئے
لایئے ہم کو ہمارا آئینہ دے دیجئے

آپ کے خیمے اُکھڑ جائیں گے ورنہ شہر سے
ان بگولوں کو بھی منزل کا پتا دے دیجئے

وقت کے نیزوں پہ سر اپنے سجائے جائیں گے
چاہے جتنی بار ہم کو کربلا دے دیجئے

آپ سب پیڑوں کی صورت کیوں کھڑے ہیں راہ میں
اے بزرگانِ زمانہ راستا دے دیجئے

یہ سیاست چل رہی ہے آجکل اس شہر میں
جس طرف بھی دیکھئے آتش ہوا دے دیجئے

چاہتے ہیں اور کیا غربت کے مارے آپ سے
پیٹ کو کچھ روٹیاں تن کو قبا دے دیجئے

اپنے وعدوں کی ذرا سی شرم تو رکھئے جناب
اس چمن کو کوئی تو موسم ہرا دے دیجئے

عمر بھر نفرت کی دیواریں اٹھائیں آپ نے
اب محبت کو ذرا سا راستا دے دیجئے
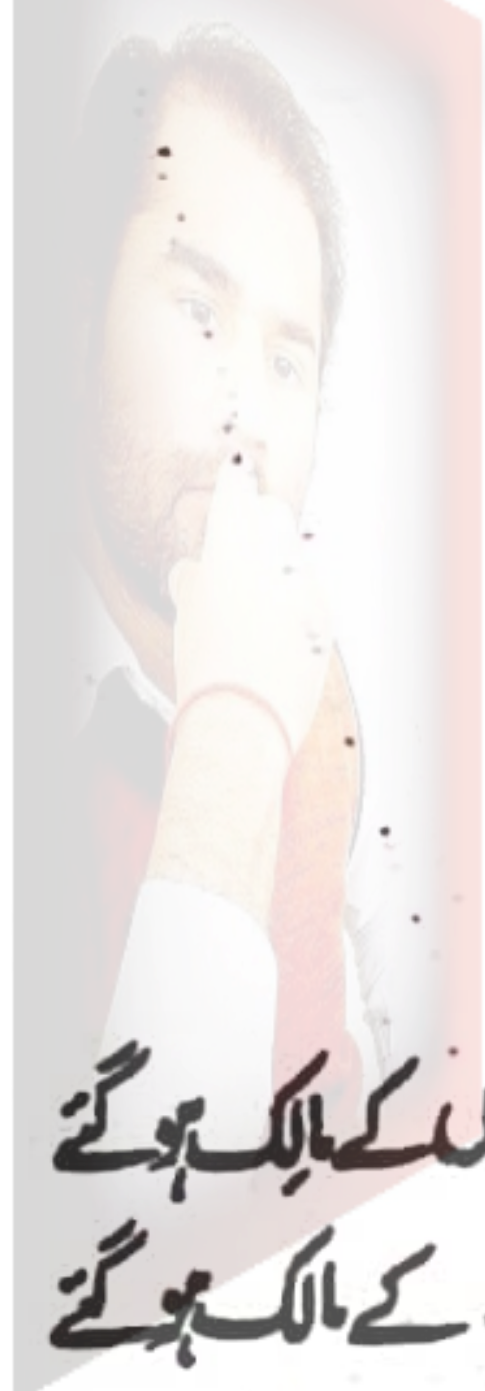
جو تھے بے کردار، کرداروں کے مالک ہو گئے
سب لرزتے ہاتھ تلواروں کے مالک ہو گئے

اب امیرِ شہر کی پگڑی بچے گی کس طرح
ایسے ویسے لوگ دستاروں کے مالک ہو گئے

چل رہی ہے خوب لوگوں کی سیاست دیکھئے
جو تھے پیدل کرسیوں، کاروں کے مالک ہو گئے

آج تو سچائی سے کاغذ کا گھر بھی چھن گیا
جھوٹ لکھنے والے اخباروں کے مالک ہو گئے

آپ کی پھینکی ہوئی چنگاریوں کی آگ میں
گھر جلا کے ہم بھی انگاروں کے مالک ہو گئے

ہر کسی سے مانگتے ہیں یہ وفاؤں کا ثبوت
بے وفا جب سے وفاداروں کے مالک ہو گئے
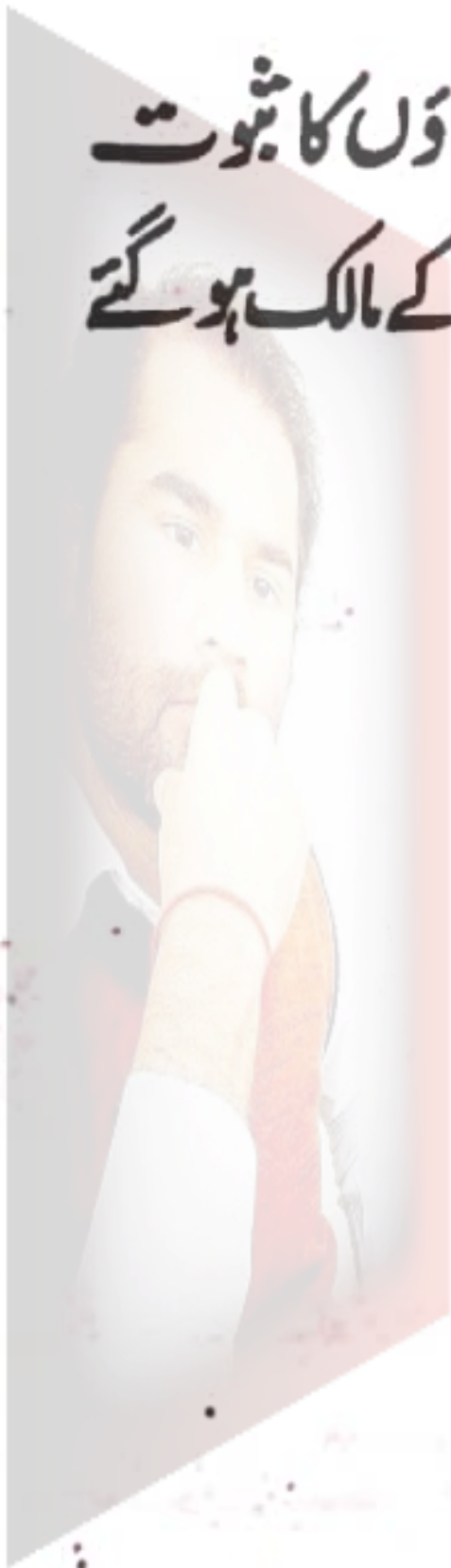
نفرتوں کی حدیں پار کرتے ہوئے
لوگ ڈرتے ہیں کیوں پیار کرتے ہوئے

وہ پڑوسی نہیں اُس کا چاچا بھی تھا
اُس نے سوچا نہیں وار کرتے ہوئے

ہوش کھو بیٹھے طوفاں میں پیراک بھی
ڈوبے منجدھار منجدھار کرتے ہوئے

میری چاہت سے منکر نہیں وہ مگر
ہونٹ جلتے ہیں اقرار کرتے ہوئے

وہ تو مانگے گا پھر بھی وفا کی سند
جان دیدیجے ایثار کرتے ہوئے

باغبانوں تمہیں شرم آتی نہیں
اپنا ہی باغ بیمار کرتے ہوئے

جنگ چراغوں کی تیز ہواؤں سے
کھیلتے رہتے ہیں ہم روز بلاؤں سے

مان لیا ہم نے ! آپ نہیں قاتل
خون تو دھو لیجئے اپنی قباؤں سے

بُت یہ سنگھاسن کے توڑ دیئے جائیں
یہ نہیں جاگیں گے اپنی صداؤں سے

کاٹیئے زنجیریں اپنے مسائل کی
وقت نہ بدلے گا صرف دُعاؤں سے

پیٹ کی دوزخ کو یوں بھی بھرا ہم نے
لکڑیاں چُن لائے جلتی چتاؤں سے

وقت کے میلے میں روز بچھڑتے ہیں
رُوتے ہوئے بچے چیختی ماؤں سے
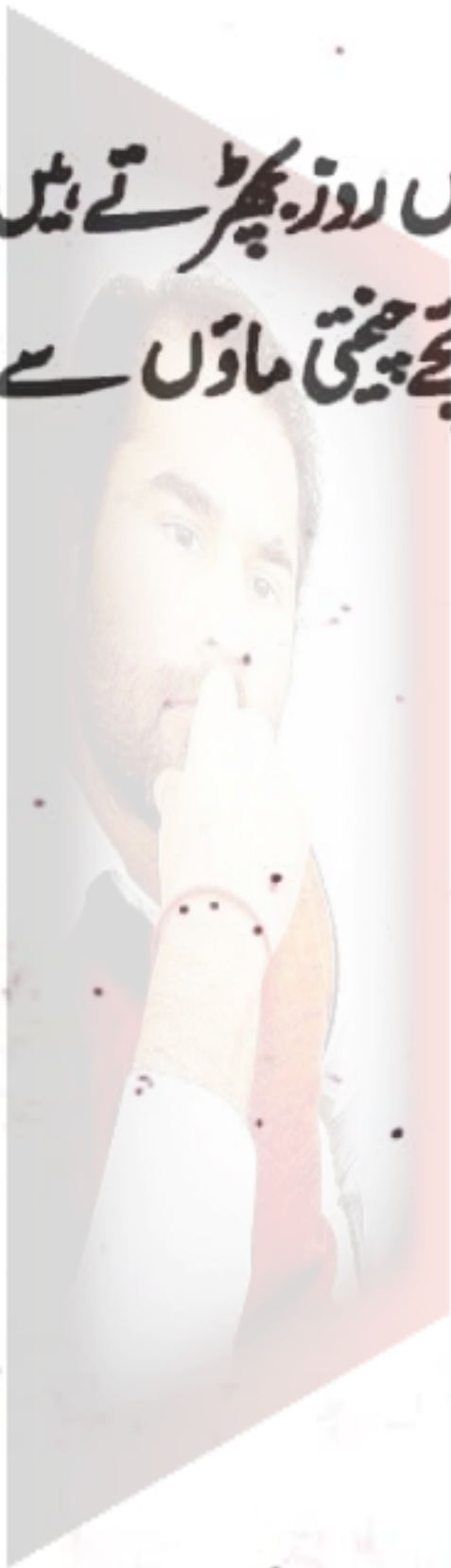
کِس عجیب منزل سے آج ہم گزرتے ہیں
موت سے نہیں ڈرتے، زندگی سے ڈرتے ہیں

ہاتھ جب ہنر والے، آبلوں سے بھرتے ہیں
تب کہیں حسیں چہرے سنگ پر اُبھرتے ہیں

دُشمنی بھی ہوتی ہے اِک کھُلی کتاب اپنی
جِس سے پیار کرتے ہیں اُس سے پیار کرتے ہیں

رات دن ہیں گردش میں اپنے غم کے محور پر
ہم بھی ایک سورج ہیں، ہم کہاں ٹھہرتے ہیں

روشنی نہیں ڈرتی، روشنی کی قربت سے
آپ آئینہ ہو کر، آئینے سے ڈرتے ہیں

کاغذوں پہ لفظوں کی شمعیں جلنے لگتی ہیں
جب بھی خون کے آنسو آنکھ سے گزرتے ہیں

ہم کو چھیڑنے والے یہ بھی دھیان میں رکھیں
پھر سمٹ نہیں پاتے ہم اگر بکھرتے ہیں

میں نے زباں کھولی تو سب لوگ رو دیئے
یہ کس نے میرے گیتوں میں آنسو پرو دیئے

پیروں کی آبلوں کی مدارات کے لئے
خود ہم نے اپنی راہ میں کچھ خار بو دیئے

غم راس آ گئے ہیں تو، ذکر ان کا ہے فضول
ہم نے مسرتوں کے جو لمحات کھو دیئے

یہ میری سادگی کہ جو اُن سے مِلے مجھے
میں نے وہ پھُول تحفے میں احباب کو دیئے

موہوم اِنتظار کے وعدہ پہ رات بھر
ہم نے جلا جلا کے بُجھائے ہیں دو دیئے
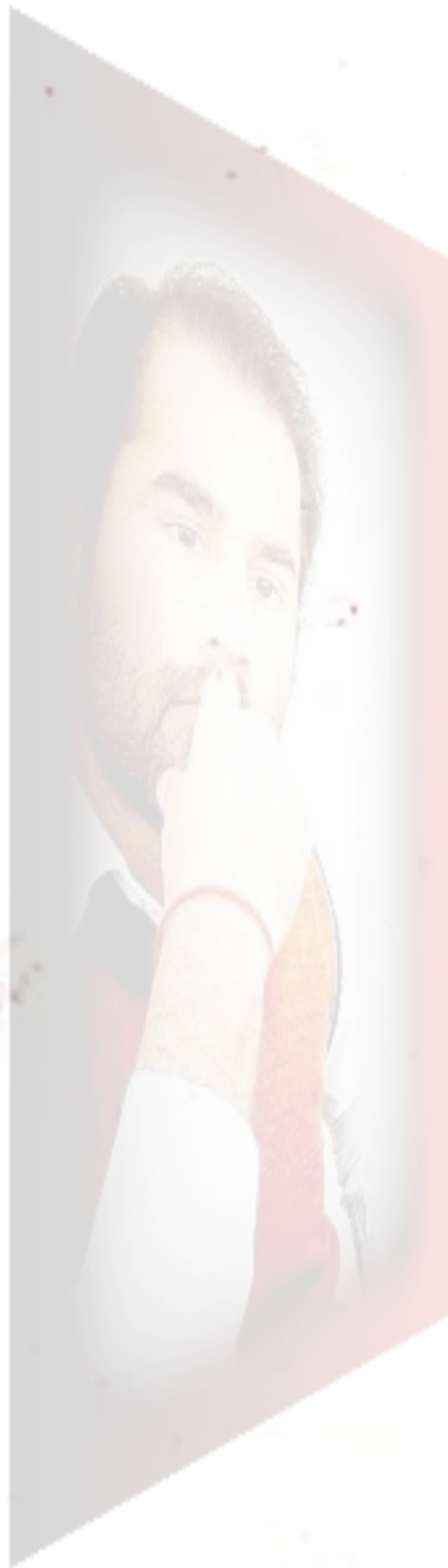
غموں سے، درد سے، زخموں سے تلواروں سے ڈرتے ہیں
محبت کیا کریں گے وہ جو انگاروں سے ڈرتے ہیں

نہ فنکاروں سے ڈرتے ہیں، نہ اخباروں سے ڈرتے ہیں
ہمارے ملک کے رہبر تو سرداروں سے ڈرتے ہیں

دسہرا، عید، بیساکھی بھی، دیوالی بھی آتی ہے
مگر اب حال یہ ہے لوگ تہواروں سے ڈرتے ہیں

کھُلے دشمن سے لڑنے میں تو گھبراتے نہیں لیکن
ہم اپنی آستینوں میں چھُپے ماروں سے ڈرتے ہیں

یہ کیسا سانحہ گزرا ہے اہلِ شہر پر منظر
کہ اپنے شہر، اپنے گھر کی دیواروں سے ڈرتے ہیں
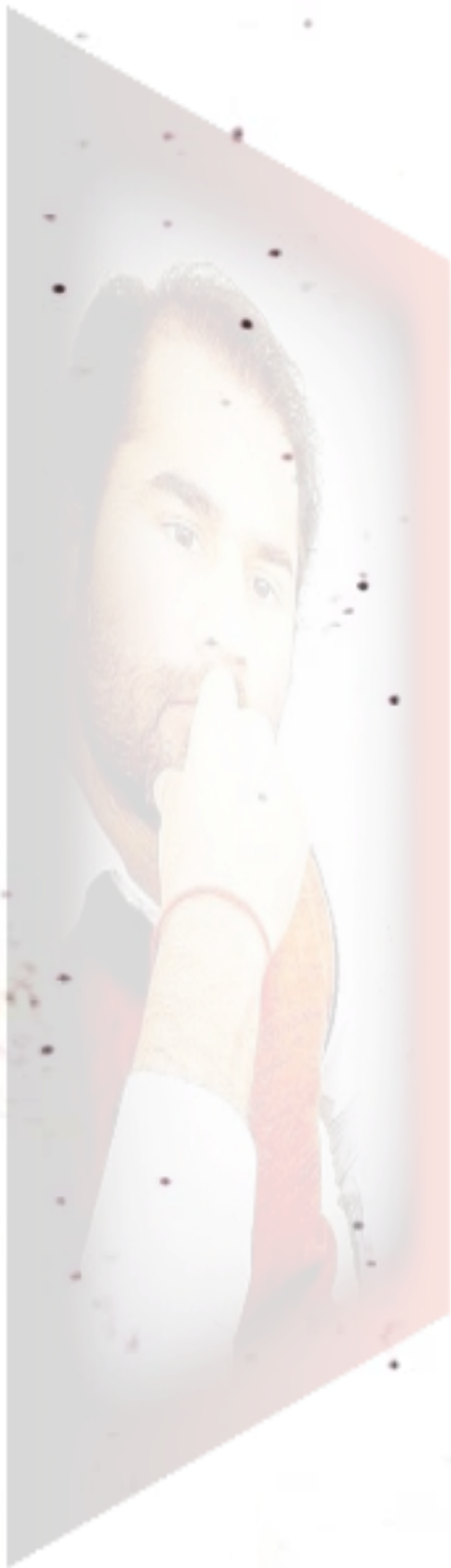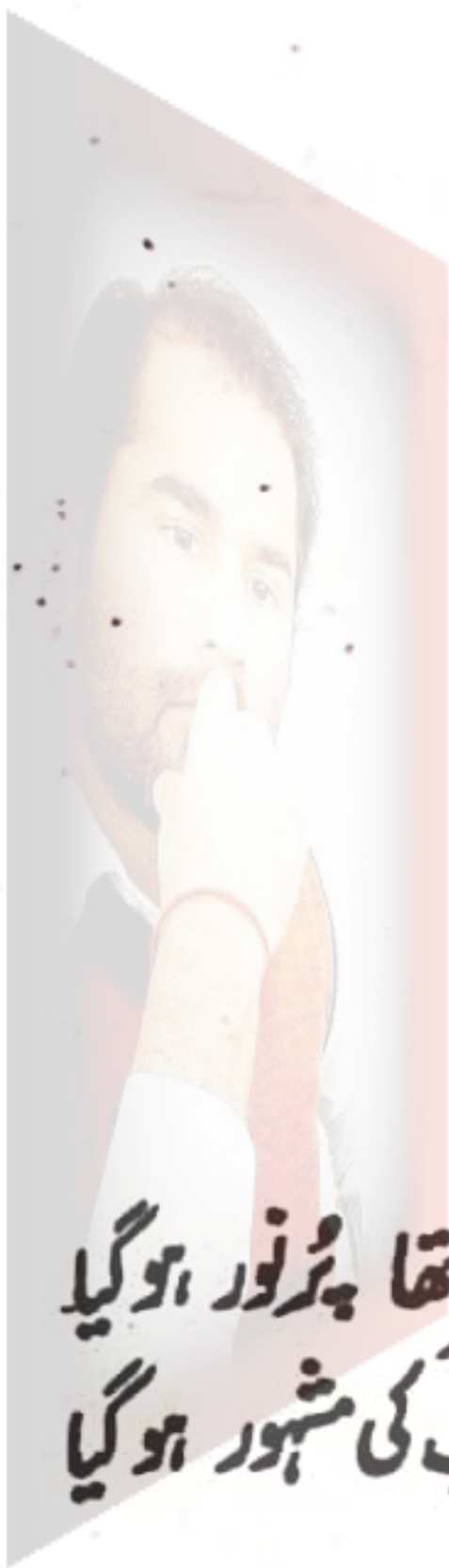
اِک بے چراغ شہر تھا پُرنور ہو گیا
میں بے رُخی سے آپ کی مشہور ہو گیا

دیکھو سیاسی لوگ پکاتے ہیں روٹیاں
ہر دھرم اِن کے واسطے تندور ہو گیا

جلتے گھروں کے بیچ بھی سونے لگے ہیں لوگ
جلنا جلانا روز کا دستور ہو گیا

داماد جب خرید نہ پایا بزار میں
بیٹی کو بیچنے پہ وہ مجبور ہوگیا

کیوں آئے ہیں اب آپ مسیحائی کیلئے
دل کا ہر ایک زخم تو ناسور ہوگیا

مُنہ سے جو بات نکلی پرائی وہ ہوگئی
شیشہ گرا جو ہاتھ سے وہ چور ہوگیا

جلتا ہوا اک آگ کا جنگل ہے زندگی
اس عہد میں عذابِ مسلسل ہے زندگی

ہر شخص بدحواس سا لگتا ہے اِن دِنوں
پھیلا ہے وہ تناؤ کہ پاگل ہے زندگی

اُس نے تو سر پہ دھوپ کا خیمہ لگا دیا
ہم تو سمجھ رہے تھے کہ بادل ہے زندگی

جھکا ہوا گلاب ہے تیرے وجود میں
کتنی حسین، کتنی مکمل ہے زندگی

چھونے کو آسماں کبھی سر پر نہ پاؤں رکھ
اتنا نہ کر غرور کوئی پل ہے زندگی

آدم سے آج تک ہے بھٹکنے کا سلسلہ
نشہ ہے یا شراب کی بوتل ہے زندگی
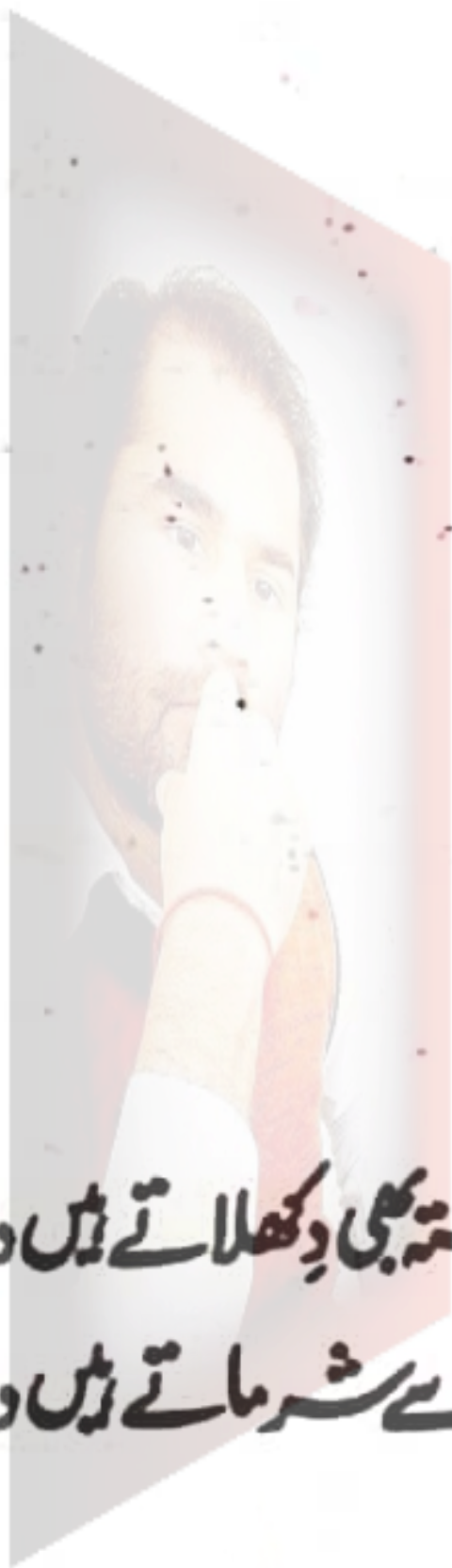
ہاتھ میں سورج لئے رستہ بھی دِکھلاتے ہیں دن
یہ عجوبہ ہے مگر راتوں سے شرماتے ہیں دن

مِل گئی جو صحبتِ یاراں غنیمت جانیئے
پھر نہیں آتے پلٹ کر جب چلے جاتے ہیں دن

رات کو خوابوں کی راہیں تیرے گھر تک جائیں گی
شام تک تو لمحہ لمحہ مجھ کو ترساتے ہیں دن

زندگانی میں کسی کا ساتھ مل جائے اگر
چاند بن جاتی ہیں راتیں پھول بن جاتے ہیں دن

آئینے دُھلتے ہیں جب ہوتی ہے بارش مہرباں
سبز ہوتا ہے بدن، موسم پہ جب آتے ہیں دن

وقت اُس کے ساتھ کچھ محسوس ہوتا ہی نہیں
جانے کِس پل میں نہ جانے کب گزر جاتے ہیں دن

رات کی بانہوں میں ہی ملتا ہے تھوڑا سا سکوں
گھاؤ دیتے ہیں کبھی ذہنوں کو سُلگاتے ہیں دن

بہے گا لہو بھی تو پانی کہیں گے
وہ جب بھی کہیں گے کہانی کہیں گے

بڑے شوق سے زخم دل پر لگاؤ
اسے ہم وفا کی نشانی کہیں گے

خطوں کی محبت ہوئی اب پرانی
زبانی سنیں گے، زبانی کہیں گے

یہی سوچ کر پی لئے ہم نے آنسو
وہ اِن موتیوں کو بھی پانی کہیں گے

یہ دل ہی تو ٹوٹا گیا ہے ہمیشہ
اِسے ہند کی راجدھانی کہیں گے

لگے زخم دل پر کہ سر جائے منظر
ستم کو نہ اب مہربانی کہیں گے
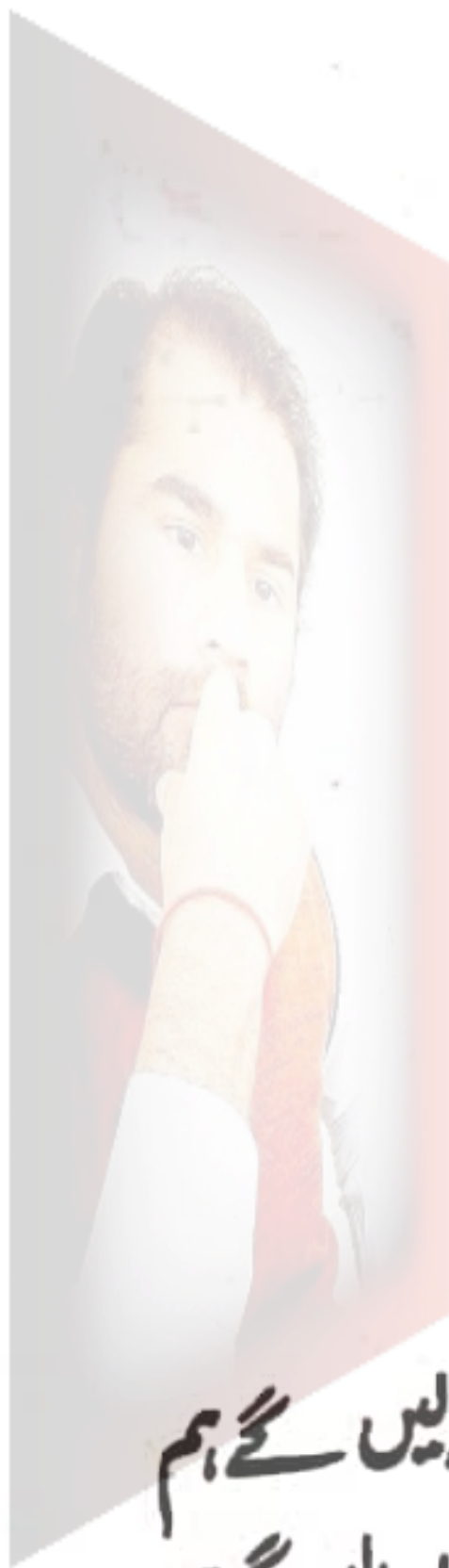
اپنے حق، اپنی وفاؤں کا صِلہ لے لیں گے ہم
ایک دن سب قاتلوں سے خوں بہا لے لیں گے ہم

طاقتیں دُنیا کی ہم سے ہار جائیں گی سبھی
واقعی جس دن خدا کا آسرا لے لیں گے ہم

بارشیں آئیں تو ندیوں کی رَوانی دیکھنا
اِن پہاڑوں سے بھی اپنا راستہ لے لیں گے ہم

نوبت آجائے گی جب بکنے کی عزت اور ضمیر
زندگی ٹھکرا کے مرنے کی سزا لے لیں گے ہم

دل دیا تھا جیسا اب ویسا ہی واپس کیجئے
ایسے کیسے ٹوٹا پھوٹا آئینہ لے لیں گے ہم

عمر بھر کے واسطے کافی ہے یہ رختِ سفر
جب چلیں گے تو بزرگوں کی دعا لے لیں گے ہم
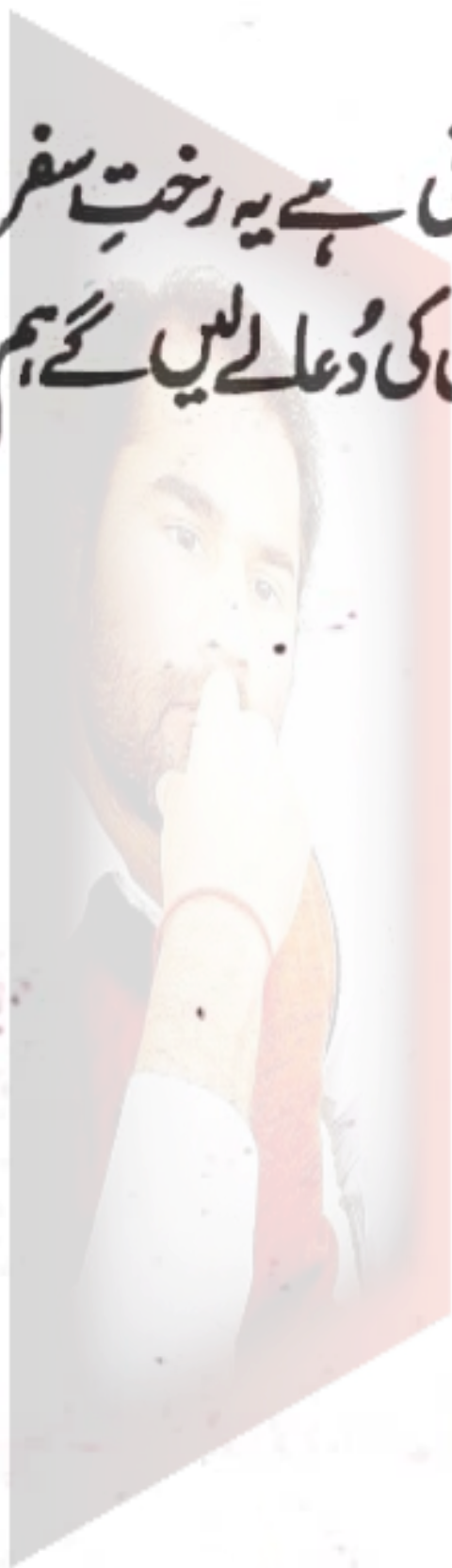
میں اُس کو جانتا ہوں مجھ سے بیحد پیار کرتا ہے
عجب فِطرت ہے لیکن سامنے اِنکار کرتا ہے

ہمارے شہر کو یہ کس وبا نے گھیر رکھا ہے
یہاں ہر شخص اپنے آپ پر ہی وار کرتا ہے

نئی باتیں، نئے قِصّے سُناتا ہی نہیں کوئی
جو مِلتا ہے وہ اپنے درد کا اظہار کرتا ہے

مسائل اُس نے سب فتنے خدا کے چھوڑ رکھے ہیں
مرا رہبر تو فکرِ مسند و دستار کرتا ہے

محبّت ہے اُسے لیکن وہ ڈرتا ہے زمانے سے
کبھی اِنکار کرتا ہے، کبھی اقرار کرتا ہے

تمہارے در پہ آ کر سارے رستے بھول جاتا ہوں
مجھے پاگل تمہارا سایۂ دیوار کرتا ہے
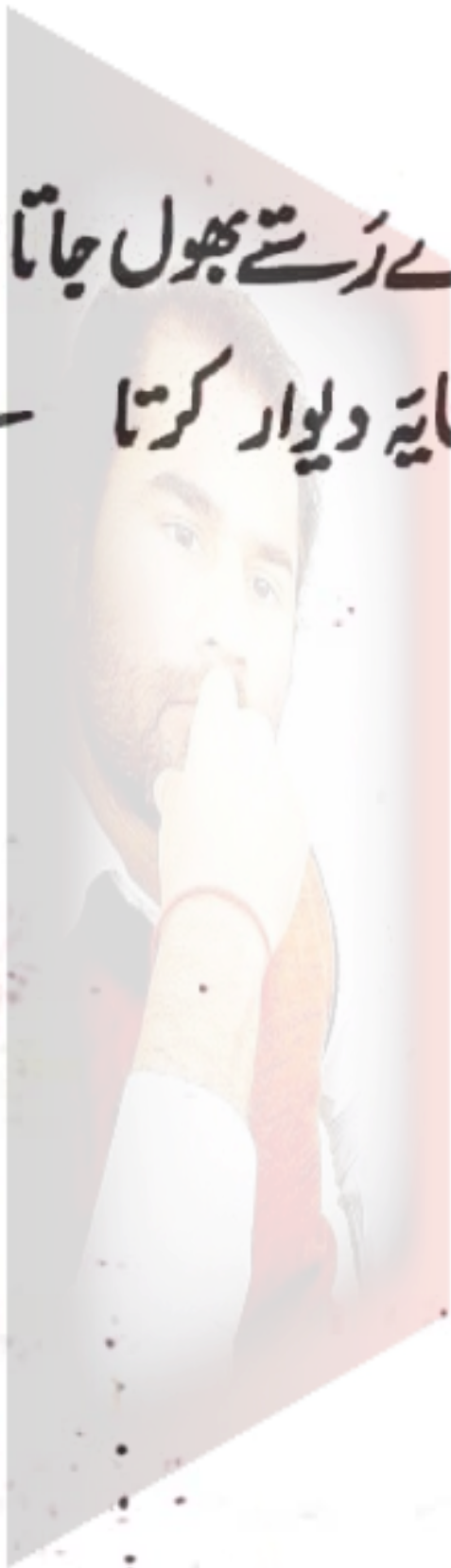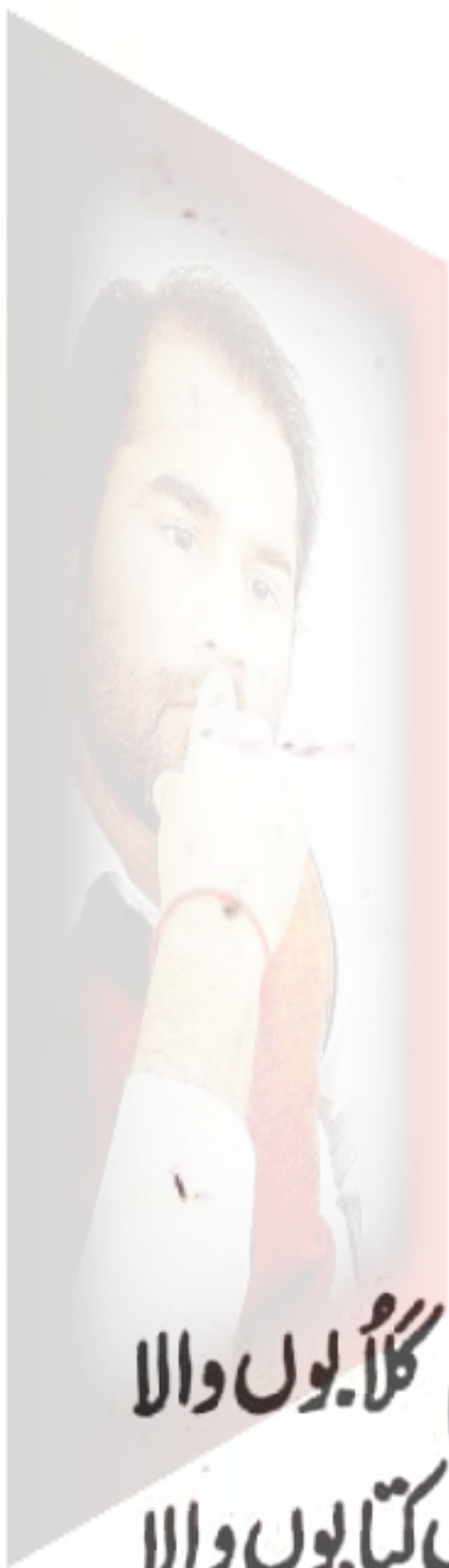
دل ہے ہیرے کی کنی جسم گلابوں والا
میرا محبوب ہے دراصل کتابوں والا

حسن ہے، رنگ ہے، شوخی ہے، ادا ہے اسمیں
ایک ہی جام مگر کتنی شرابوں والا

یار آئینہ ہوا کرتے ہیں یاروں کیلئے
تیرا چہرہ تو ابھی تک ہے نقابوں والا

مجھ سے ہو گی نہیں دُنیا! یہ تجارت دل کی
میں کروں کیا کہ مرا ذہن ہے خوابوں والا

تو رہے گا نہ ترے ظلم رہیں گے باقی
دن تو آنا ہے کسی رُوز حسابوں والا

حُسنِ بے باک سے ہو جاتی ہیں آنکھیں روشن
دل میں اُترا ہے مگر روپ حجابوں والا

جو نظر آتا ہے حاصل نہیں ہوتا منظر
زندگانی کا سفر بھی ہے سرابوں والا

فطرتیں سمجھتی ہیں، خوبیاں سمجھتی ہیں
آج کل کے لڑکوں کو، لڑکیاں سمجھتی ہیں

چل رہے ہیں کترا کر، خود غمِ جہاں سے ہم
تو جلے چراغوں کے آندھیاں سمجھتی ہیں

جب کبھی چاہیں بھارت کو یہ بنا دیں ملیا
خود کو مُلک کا مالک، وردیاں سمجھتی ہیں

دیکھ کر دُکھی اُس کو جھولتی ہیں پھانسی پر
درد اپنے بابل کا بیٹیاں سمجھتی ہیں

گفتگو محبّت میں کیجئے اشاروں سے
لڑکیاں تو آنکھوں کی بولیاں سمجھتی ہیں

تجربے ہوئے ہم کو عشق میں بہت منظر
کِس جگہ کھنکنا ہے چوڑیاں سمجھتی ہیں
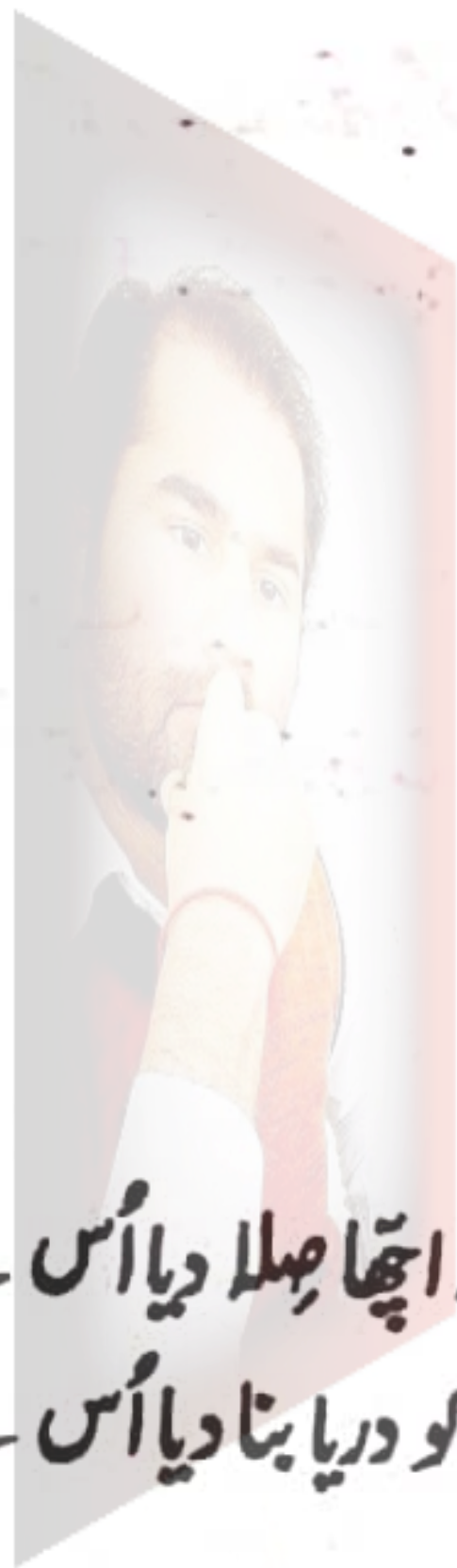
محبتوں کا یہ اچھا صلا دیا اُس نے
ہماری آنکھ کو دریا بنا دیا اُس نے

وقارِ چادرِ زینب گرا دیا اُس نے
خود اپنا جامۂ عزت جلا دیا اُس نے

وہ چھاتیاں جو پلاتی رہیں سدا امرت
اُنھیں پہ آج تو نیزہ چلا دیا اُس نے

ملیں تو کیسے ملیں، دل سے دل نہیں ملتا
ہر ایک رشتہ ٹھکانے لگا دیا اُس نے

ہمارے دل میں گاڑ کر رکھ دی سلاخ جلتی ہوئی
ہمارے صبر کا خیمہ جلا دیا اُس نے

سمجھ رہے تھے دھنی ظرف کا اُسے لیکن
ذرا سی بات میں چہرہ دِکھا دیا اُس نے

مرے بزرگوں نے جنت جسے بنایا تھا
اُسی دیار کو دوزخ بنا دیا اُس نے

نہ گواہی ہے نہ قاتل کا پتہ جانتے ہیں
شہر والے تو خموشی کو بھلا جانتے ہیں

ایسے عادی ہوئے ہم لوگ ستم سہنے کے
حسن کے ظلموں کو محبت کی ادا جانتے ہیں

تو جو سن لے تو بڑی شانِ کرم ہی ورنہ
نازِ فریاد، نہ ہم طرزِ دعا جانتے ہیں

کیا غرض آپ کو ایماں سے سیاست والو
آپ تو دولت و قوت کو خدا جانتے ہیں

شہر والوں کی خبر لینے نکل پڑتے ہیں
دل کی دھڑکن کو ہم آوازِ درا جانتے ہیں

سُن کے سچائی وہ اِنصاف نہیں کر سکتے
صَاف گوئی کو جو منظر کی بُرا جانتے ہیں
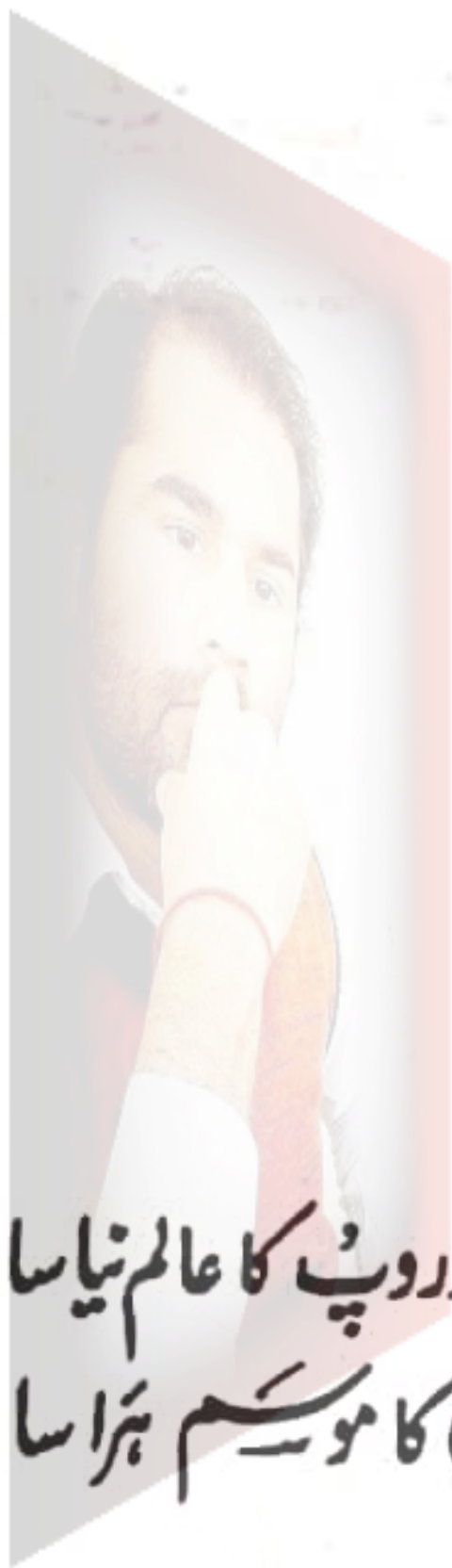
پھولوں پہ رنگ و روپ کا عالم نیا سا ہے
یعنی تمہارے حُسن کا موسم ہرا سا ہے

اِک سمت اک مقام پہ رہتا نہیں کبھی
اِس دور کا مزاج بھی بالکل ہوا سا ہے

چھت دھوپ کی ہے اور دو دیوار درد کے
وعدوں کا یہ مکان بڑا خوشنما سا ہے

جب تک اپنے درمیان تھا وہ آدمی سا تھا
مسند پہ جب سے بیٹھ گیا ہے خدا سا ہے

کیا رُوئیے کہ آنکھ میں آنسو نہیں رہے
ہر شہر اپنے ملک میں اب کربلا سا ہے

رشتے سب اعتبار کے مشکوک ہو گئے
وہ وقت ہے کہ جسم سے سایہ جُدا سا ہے

خواب دِکھانے والوں سے ہُشیار رہو
جادوگر کی چالوں سے ہُشیار رہو

غافل ذرا ہوئے تو سر کٹ جائے گا
لکڑی کی ان ڈھالوں سے ہُشیار رہو

آزادی کے پنکھ جکڑنے والی ہے
اس مکڑی کے جالوں سے ہُشیار رہو

یہ سورج تو اندھیارے کے سورج ہیں
سبھی چمکنے والوں سے ہشیار رہو

جانے کب یہ اُنگلی کاٹ کے لے جائیں
ہاتھ مِلانے والوں سے ہشیار رہو
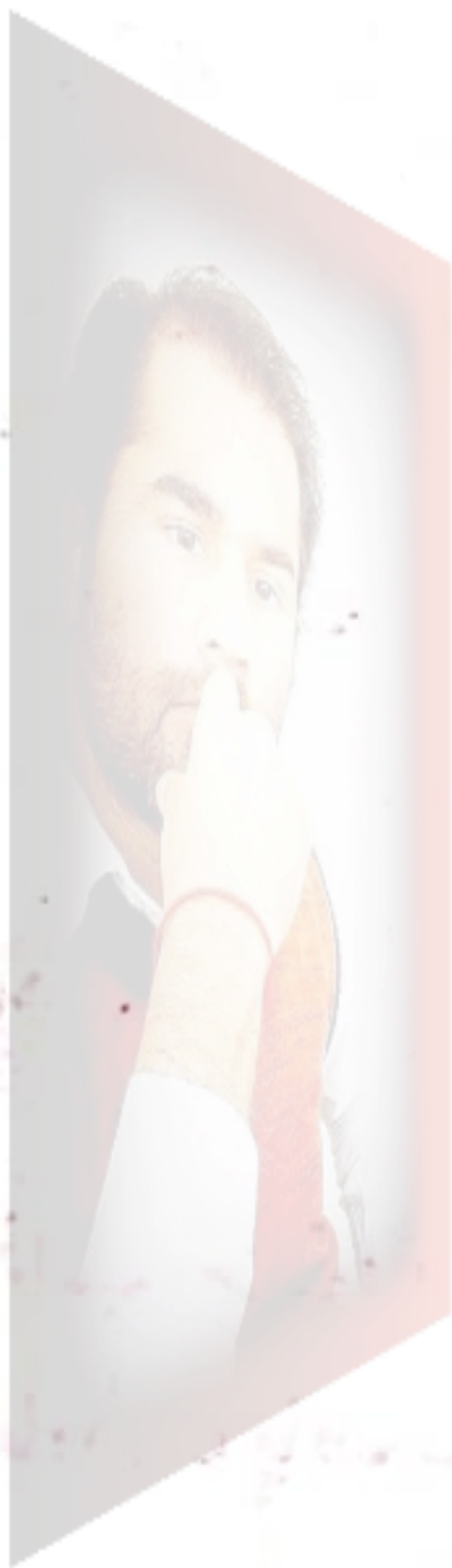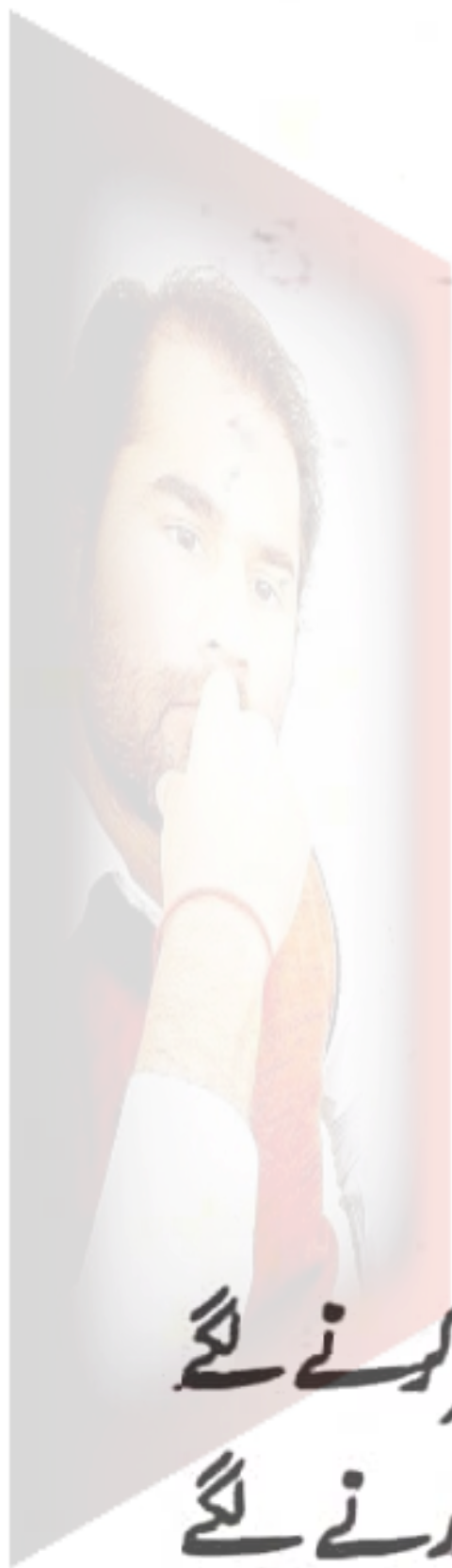
جب سے باطن میں سفر کرنے لگے
اپنے سائے سے بھی ہم ڈرنے لگے

اُس نے پُل باندھے، رَوانی روک دی
پتھروں میں ہم جو گھر کرنے لگے

دل لگی میں کہہ دیا تھا بے وفا
آپ تو آنچل ہی تر کرنے لگے

دیکھ کر وہ موتیوں جیسی ہنسی
بجلیوں کے قافلے ڈرنے لگے

آپ کا دامن ہے بالکل پاک صاف
آئینے سے آپ کیوں ڈرنے لگے

نوچ ڈالے پھر تمہاری یاد نے
کچھ پرانے زخم جب بھرنے لگے
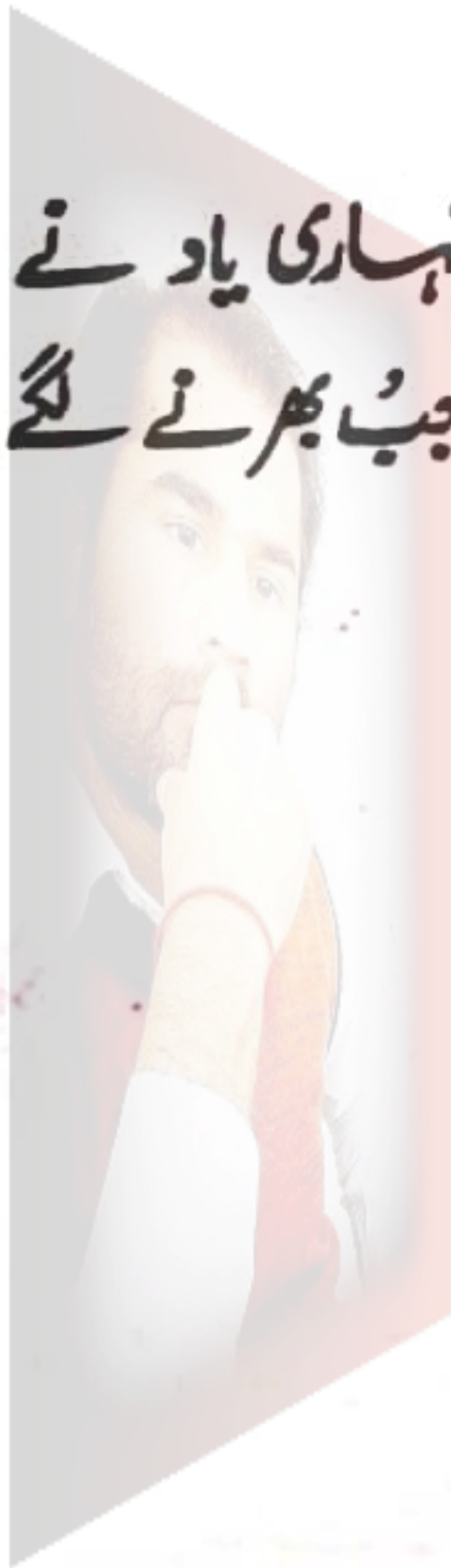
اب بسیرا ہے غم کی کھولی میں
میرا گھر جل گیا ہے ہولی میں

کیا اُمیدیں رکھیں کرشموں کی
جھانک آئے ہیں سب کی جھولی میں

ڈال دی خاک اُس نے رشتوں پر
اب مٹھاسیں کہاں نبولی میں

باپ یوں رو دیا. بِدائی پر
موت بیٹھی ہے جیسے ڈولی میں

اِس سیاست نے سب بجھا ڈالے
چاندتارے تھے میری جھولی میں

اب بہاریں ہیں پورے جوبن پر
گُل مہکنے لگے ہیں چولی میں

سنت سادھو بھی ہوگئے شامل
آج کل ڈاکوؤں کی ٹولی ہے

مستقل تیروں کی بوچھاریں نہیں
زخم کھائیں ! ہمتیں ہاریں نہیں

اب کٹے ہاتھوں کا ہے اک سلسلہ
اب ہمارے ساتھ تلواریں نہیں

جب تھیں دیواریں تو گھر میں در نہ تھا
اب جو در آیا تو دیواریں نہیں

اپنا سرمایہ ہیں کردار و ضمیر
اپنی دولت بلڈنگیں، کاریں نہیں

اُڑ گئی غزلوں کی رنگینی تمام
پھول سے جسموں کی مہکاریں نہیں

سر جھکا کر کر رہے ہیں اِحتجاج
آپ کے لہجے میں للکاریں نہیں

زخم کب اُس نے دیئے ہیں یہ نشانی دی ہے
بھول جائیں نہ کہیں یاد دہانی کی ہے

کھڑکیوں کے وہ اشارے، وہ چھتوں پر ملنا
اب تو لگتا ہے ہر اِک بات کہانی سی ہے

آگ فطرت نے لگائی ہے یہ جلنے کیلئے
حُسن بخشا ہے تمہیں، مجھ کو جوانی دی ہے

کچھ تو وہ ہے بھی حسیں ایسا کہ ایماں ٹوٹے
کچھ قلم نے مرے رنگین بیانی کی ہے

اُس کی یاد آئی تو اپنی بھی خبر مجھ کو نہیں
ایسا لگتا ہے شراب آج پرانی پی ہے

آپ ایمان سے پھر جائیں ملے گا سب کچھ
زندگانی بھی، زر و سیم بھی، پانی بھی ہے
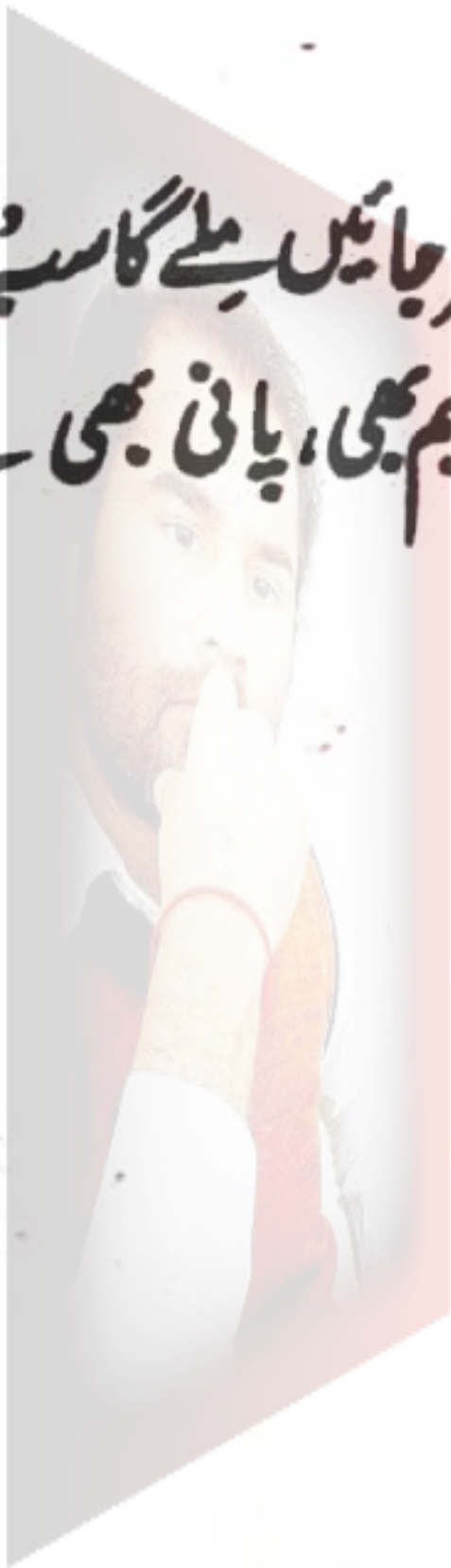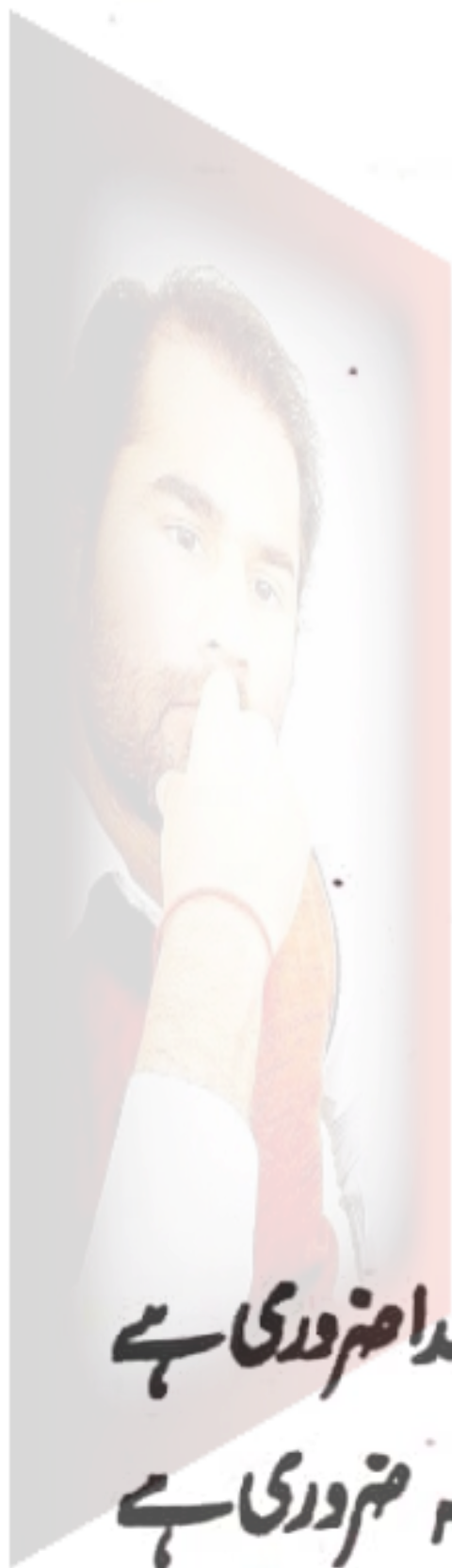
خدا کو رکھیے دلوں میں خدا ضروری ہے
ہر آدمی کے لئے آئینہ ضروری ہے

ہم اپنی راہ بنالیں گے آپ ہی اک دن
نہ سنگِ میل، نہ یہ نقشِ پا ضروری ہے

رہے نہ دل میں چراغوں کے خوف بجھنے کا
ہوا کا خوف ہے جب تک ہوا ضروری ہے

شعور سیکھو ذرا پتھروں میں رہنے کا

پکارو زور سے یارو! صدا ضروری ہے

فرشتگی کی توقع نہ کیجئے ہم سے

ہم آدمی ہیں! تو ہم سے خطا ضروری ہے

سکھا دیا ہے ہمیں تجربات نے منظر

کہ زندگی کے لئے تجربا ضروری ہے
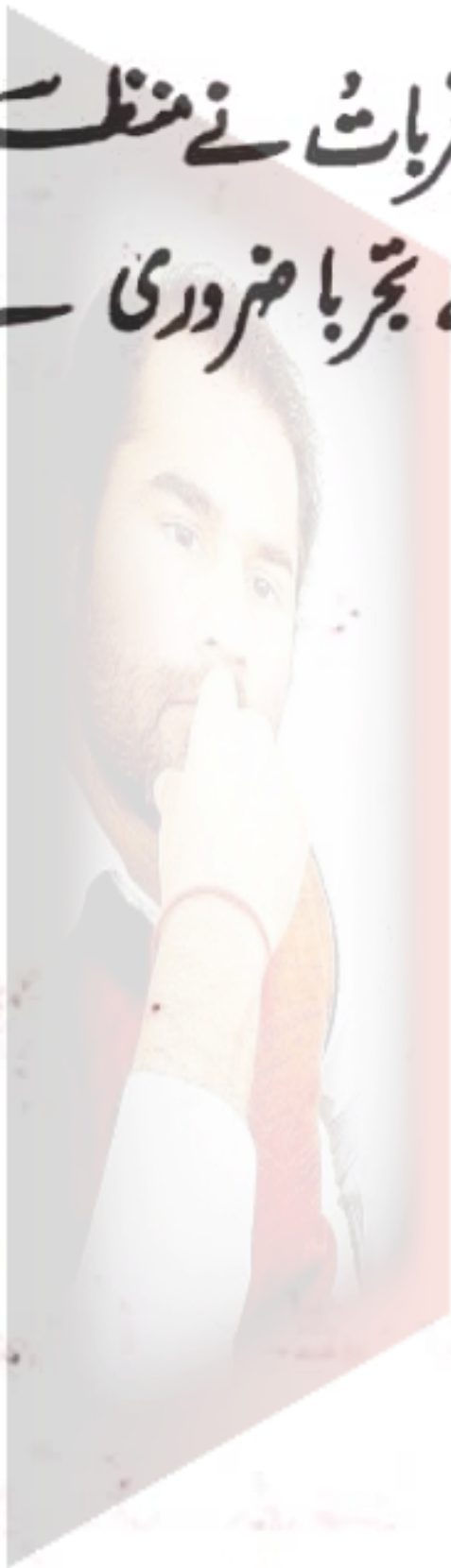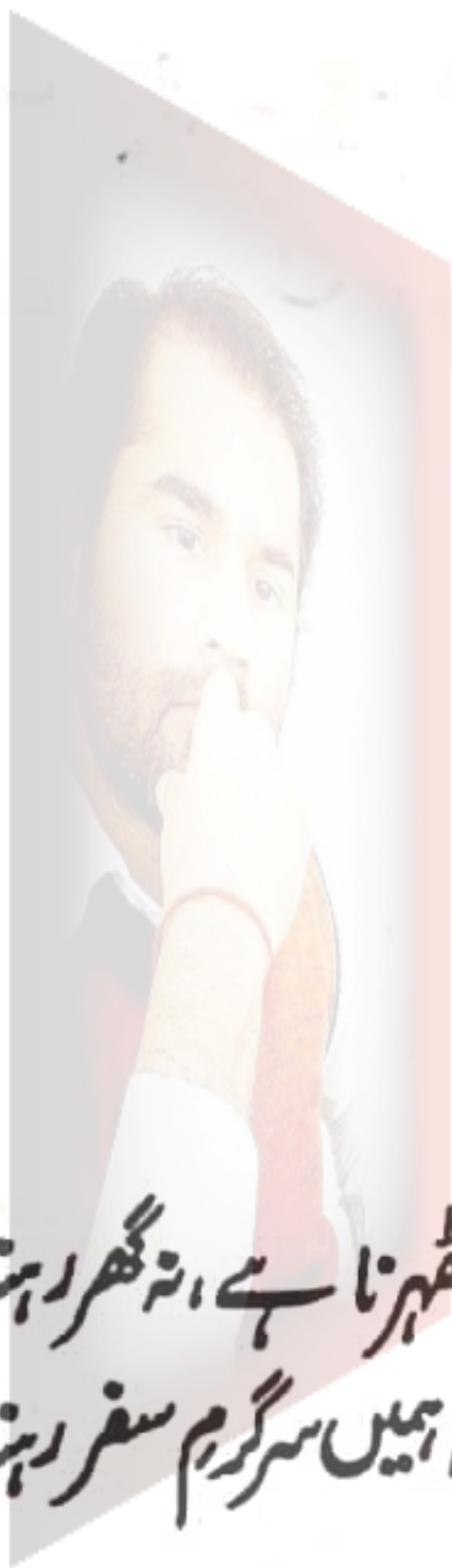
کسی منزل پہ ٹھہرنا ہے، نہ گھر رہنا ہے
ہم ہیں سورج، ہمیں سرگرم سفر رہنا ہے

اب چراغوں کی طرح ہم نہیں بجھنے والے
اب ہواؤں میں ہمیں سینہ سپر رہنا ہے

سر کٹانے کیلئے جنگ میں ہم ہیں موجود
رہنماؤں کو تو آرام سے گھر رہنا ہے

راحتیں ہوں گی خریدارِ ہنر کو حاصل
اپنے ہاتھوں میں فقط زخمِ ہنر رہنا ہے

ہم کو ٹھہرا ہوا پانی نہ بنانا یا ربّ
ہم کو موجوں کی طرح زیر و زبر رہنا ہے

سستی شہرت کی حویلی پہ نہ اِترا مظہر
کچھ دِنوں بعد نہ دیوار نہ در رہنا ہے
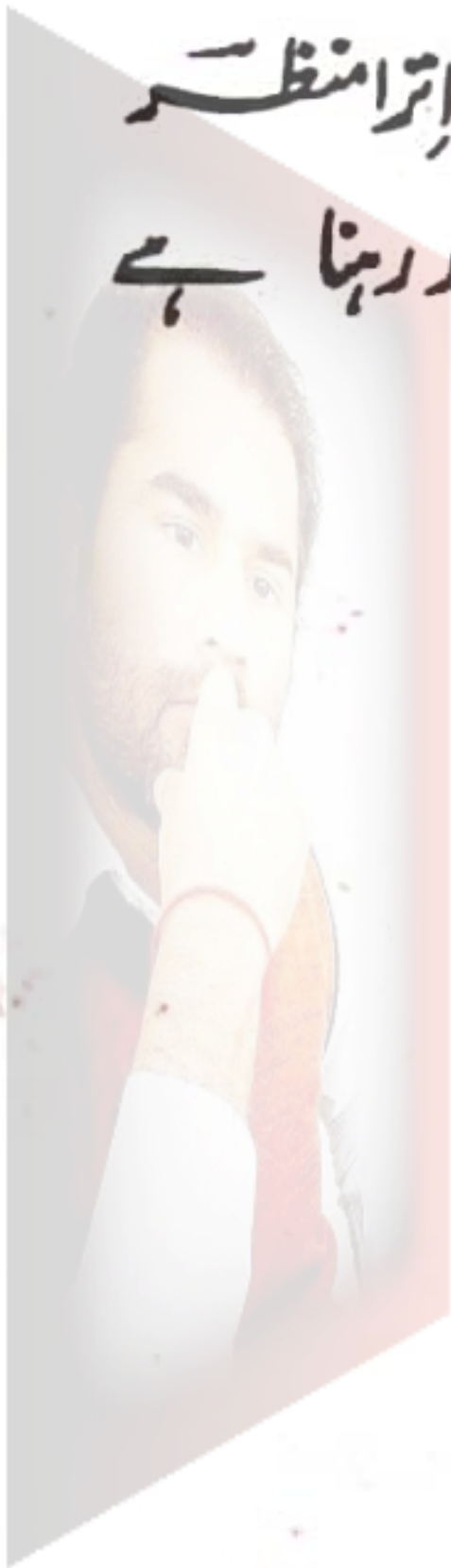
اُس کو پہلی بار خط لکھّا تو دل دھڑکا بہت
کیا جوابُ آئے گا کیسے آئیگا ڈر تھا بہت

جان دیدیں گے اگر دُنیا نے روکا راستہ
اور کوئی حل نہ نِکلا ہم نے تو سوچا بہت

اب سمجھ لیتے ہیں میٹھے لفظ کی کڑواہٹیں
ہوگیا ہے زندگی کا تجربہ تھوڑا بہت

سوچ لو پہلے، ہمارے ہاتھ میں پھر ہاتھ دو
عشق والوں کیلئے ہیں آگ کے دریا بہت

وہ بھی آنگن میں پڑوسی کے میں گھر کی چھت پہ تھا
دوریوں نے آج بھی دونوں کو تڑپایا بہت

اس سے پہلے تو کبھی احساس ہوتا ہی نہ تھا
تم سے مل کر سوچتے ہیں رو لئے تنہا بہت

آنکھ ہوتی تو نظر آجاتے چھالے پاؤں کے
پس کو کیا دیکھے گا اپنا شہر ہے اندھا بہت

یُوں تو ڈوبنے والی کشتیاں بہت سی ہیں
ایک تُو نہیں ورنہ لڑکیاں بہت سی ہیں

حُسن کو پڑھا سب نے اپنی اپنی آنکھوں سے
ایک ہے خبر لیکن سُرخیاں بہت سی ہیں

جس سے رُوح جگمگ ہو انتظار اُس کا ہے
گھر کو پھونکنے والی بجلیاں بہت سی ہیں

رُوٹھنے سے کیا ہوگا؟ دونوں معذرت کرلیں
آپ میں بھی، مجھ میں بھی، خامیاں بہت سی ہیں

دیکھ بھال کرنے میں عمر کٹ ہی جائے گی
اپنے پاس خوابوں کی تِتلیاں بہت سی ہیں

رہنما یہ کہتے ہیں تیرگی سے مت ڈریئے
ملک میں جلانے کو بستیاں بہت سی ہیں

اُن کے گھر کے آنگن میں رحمتیں اُترتی ہیں
جن کے گھر میں اے منظر بیٹیاں بہت سی ہیں
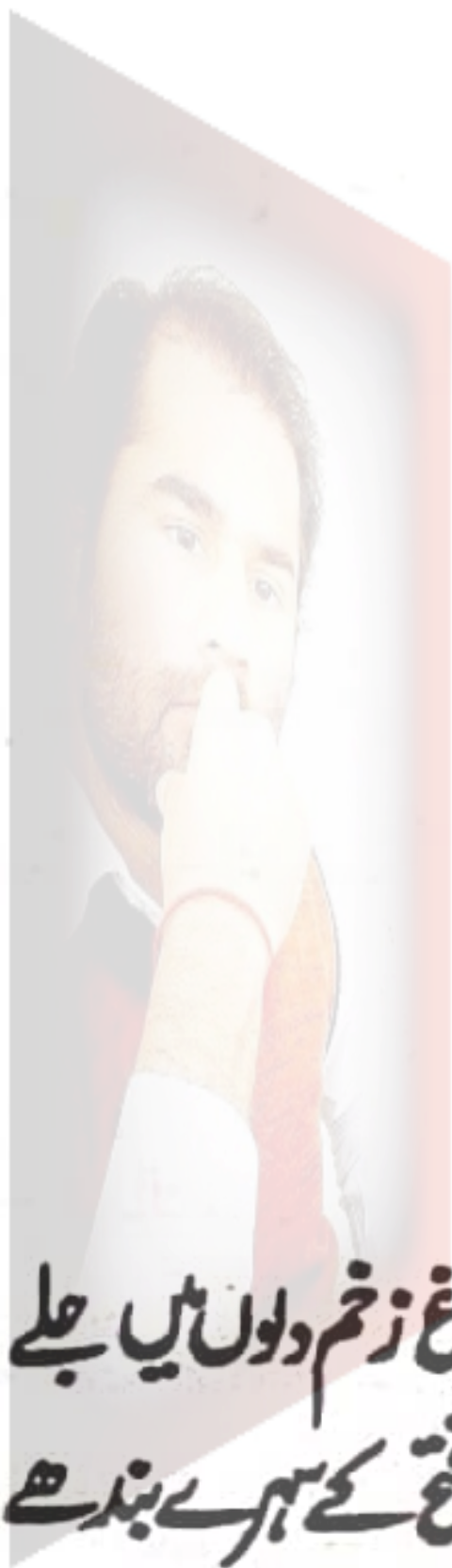
جب تک چراغِ زخم دلوں میں جلے رہے
سر پہ ہمارے فتح کے سہرے بندھے رہے

معصوم خون کوچہ و بازار میں گرا
نعرہ لگانے والے ہمیشہ بچے رہے

وہ آسمانِ شب سے نہ اُترا مرے لیے
پلکوں پہ انتظار کے جگنو بجھے رہے

دریا ستم کا پار بھی کرتے تو کس طرح
قسمت میں عاشقوں کی تو کچّے گھڑے رہے

بے بس تھے پانڈووں کی طرح اہلِ حق تمام
میرا مکان جلتا ہوا دیکھتے رہے

امن و اماں کی بات کرے گا پھر اور کون
دونوں طرف جو ایسے ہی خنجر کھنچے رہے

اک کربلا میں ہو گی ملاقات آپ سے
اچھا تو سر کٹانے کے منصوبے طے رہے

منظر گلے سے نغمہ نکلتا بھی کس طرح
اپنے گلے میں درد کے پھندے کسے رہے

بہت دن ہو چکے ہیں خواب سے بیدار ہو جاؤ
اگر جینا ہے مرنے کے لیئے تیار ہو جاؤ

اُکھڑ جائیں گی ورنہ اِس زمیں سے اپنی بنیادیں
یزیدی قوتوں کے سامنے دیوار ہو جاؤ

ضمیروں کی تجارت نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے
یہی ہے وقت لوگو صاحبِ کردار ہو جاؤ

بلی ہیں عظمتیں قوموں کو سر دیکر ہی دُنیا میں
اَذانِ وقت کا پیغام ہے ہُشیار ہو جاؤ

یہ قاتل ورنہ ہر بستی کو ملیانہ بنادیں گے
ہر اِک قاتل کے حق میں حیدری تلوار ہو جاؤ
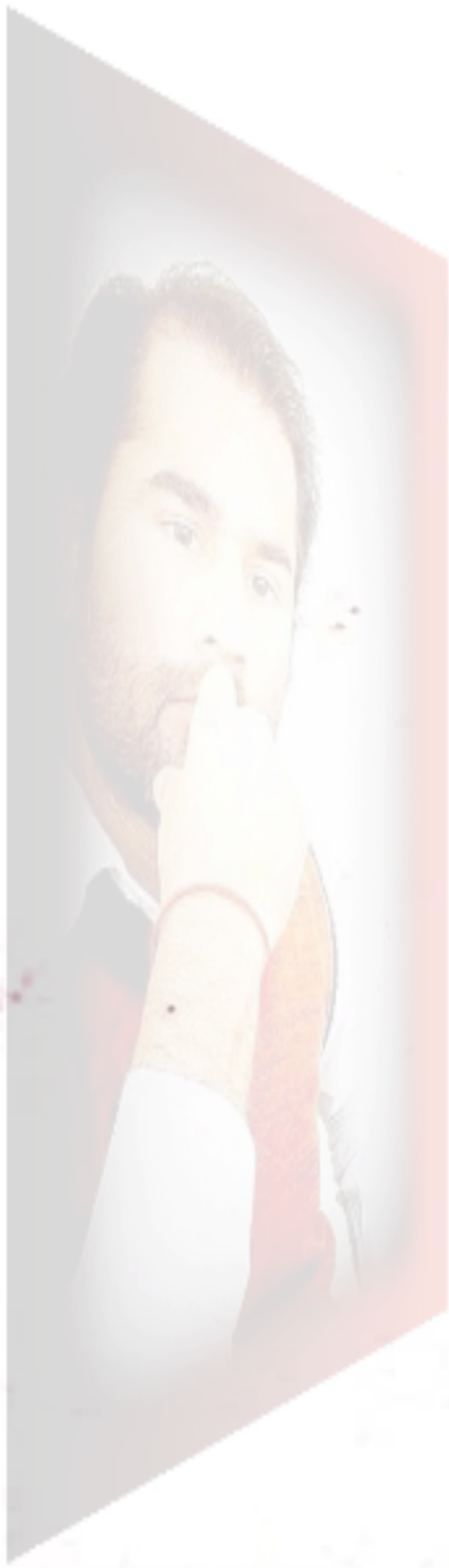
چاروں طرف اُٹھتے ہوئے طوفان بہت ہیں
میرے لئے لیکن مرے اوسان بہت ہیں

موت آئے گی اِک رُوز یقیں ہے مجھے لیکن
ڈرتا ہوں کہ بچّے ابھی نادان بہت ہیں

اِس شہر کے لوگوں سے اگر بات کرو گے
محسوس یہ ہوگا کہ پریشان بہت ہیں

اشعار کی مانند ہے چہروں کی اُداسی
گھر گھر میں یہاں میر کے دیوان بہت ہیں

مجھ کو مرے پیروں پہ کھڑا کر دیا لوگو!
مجھ پر مرے ماں باپ کے احسان بہت ہیں

پہچان سخنور کی ہوا کرتی ہے جن سے
منظر ترے لہجے میں وہ امکان بہت ہیں
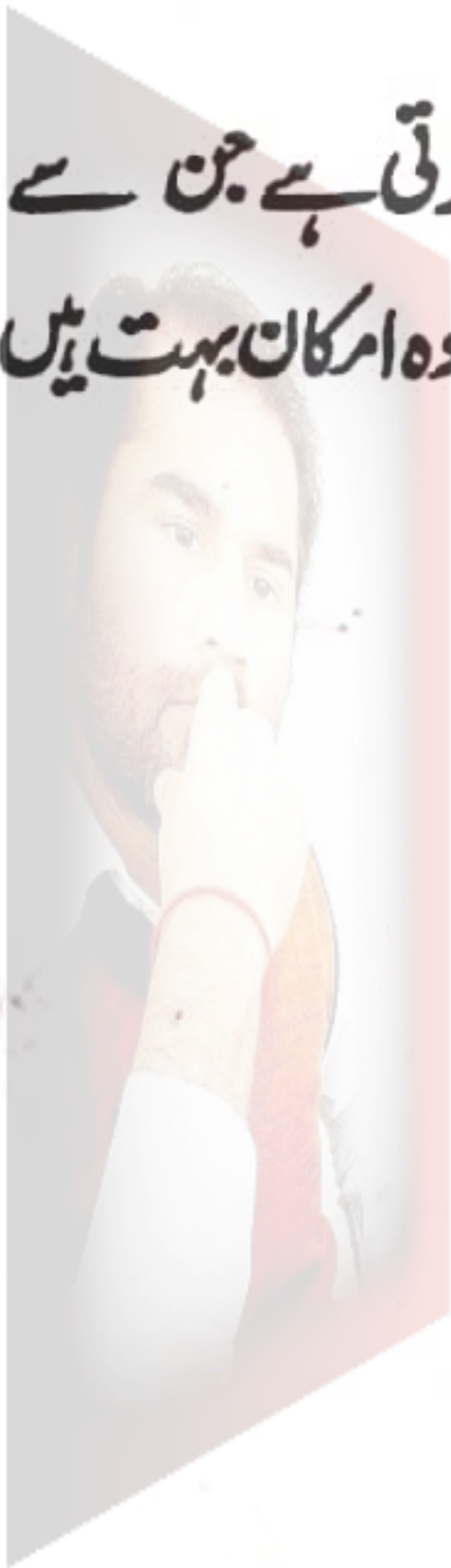
جُدائی ہو کہ مِلن، ہر ادا ہماری ہے
تمہارا شہر ہے لیکن فضا ہماری ہے

تم اپنی طاقت و دولت پہ ناز مت کرنا
کہ اُن کی بار بھی یہ کربلا ہماری ہے

ہمارے جسم کی عُریانیت پہ مت ہنسنا
کہ تم جو اوڑھے ہوئے ہو ردا ہماری ہے

ہر ایک حال میں ہے عشق حُسن سے برتر
تمہارے لب پہ ہیں طعنے دُعا ہماری ہے

کہیں پہ جل نہیں سکتے ستمگروں کے چراغ
تمام شہر میں اب کے ہوا ہماری ہے

تم آدمی تھے، تمہیں دیوتا بنا ڈالا
خطا تمہاری نہیں ہے خطا ہماری ہے
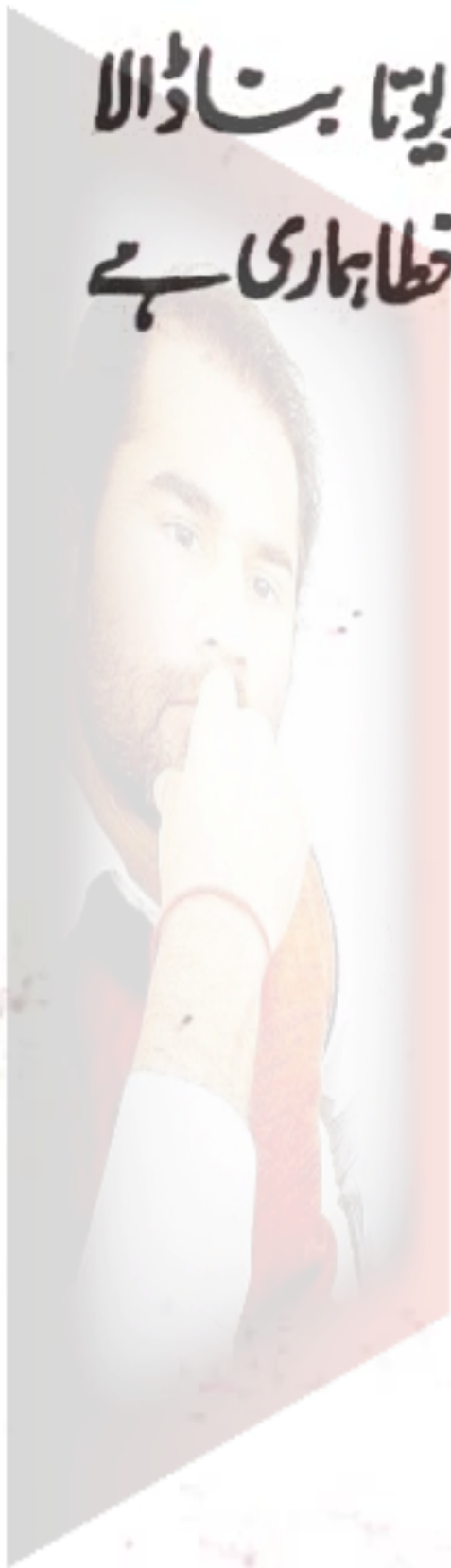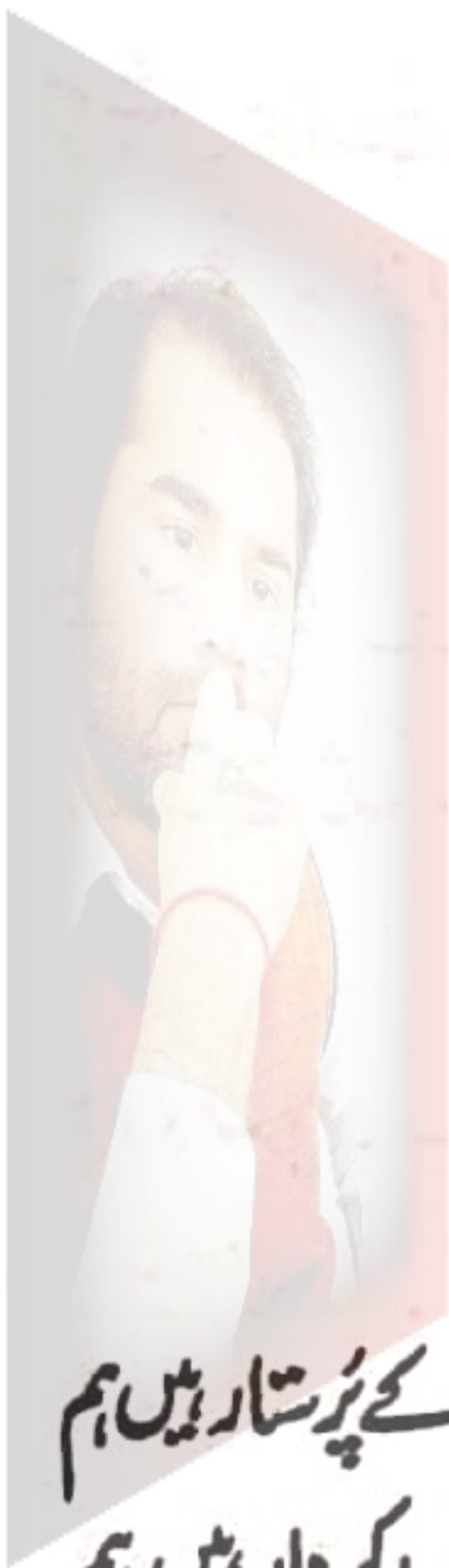
اپنے اسلاف کی عظمت کے پرستار ہیں ہم
سگِ دربار نہیں صاحبِ کردار ہیں ہم

ہم سے شرماتا ہے آئینہ مقابل آکر
بے وفا ہیں، نہ منافق، نہ اداکار ہیں ہم

ہار جاؤ گے محبت سے ہماری اک دن
تم کہاں تک یہ پکارو گے کہ غدّار ہیں ہم

آپ جو کچھ تھے وہی ہم نے بنائی تصویر
یہ گنہ ہے تو حقیقت میں گنہگار ہیں ہم

جب تلک شعلۂ ایماں نہیں دل میں اپنے
کاٹھ کی ڈھال ہیں، ٹوٹی ہوئی تلوار ہیں ہم

عیش خیرات میں ہم کو نہ گوارہ ہوگا
عمر بھر غم پہ گزاریں گے وہ خوددار ہیں ہم

ہم کبھی پیار سے جھکتے ہیں جو اُن کے آگے
وہ سمجھتے ہیں کہ گرتی ہوئی دیوار ہیں ہم

چودہ صدیوں سے اُجڑنے کا تسلسل ہے یہی
جلتے خیموں کی قسم بے در و دیوار ہیں ہم

ہم کو ایمان کی طاقت پہ بھروسہ ہے بہت
قومِ مسلم کے واسطے اللہ کی تلوار ہیں ہم

خوشبوؤں کے قائل ہیں، تتلیوں کے بیوپاری
پھر بھی راج کرتے ہیں دیکھئے تو فن کاری

زخم دے کے بھیجے ہیں دوستی کے گلدستے
بے مثال ہے صاحب آپ کی اداکاری

یہ جہیز لائے گا عمر بھر کا پچھتاوا
لڑکیوں کو مت بیچیں، آپ اپنی خودداری

بھر چکی ہیں تاریخیں اپنے کارناموں سے
بے وفا سکھائیں گے کیا ہمیں وفا داری

بھوکے پیٹ اچھے ہیں ہم کھلی فضاؤں میں
تجھ کو ہی مبارک ہو تیری چار دیواری

اہلِ حق ندامت سے سر جھکائے پھرتے ہیں
آج کل مجاہد بھی بن گئے ہیں درباری

پتھرا گیا ہے جیسے کہ احساسِ رنج و غم
اِک دوسرے کی موت پہ ہنسنے لگے ہیں ہم

پھر لکھنے والے کیوں نہ قصیدے لکھیں ترے
چاندی کی روشنائی ہے، سونے کا ہے قلم

نکلے تھے کتنے شوق سے گلشن کی سیر کو
پھولوں کے گھاؤ دیکھے، سُنے خوشبوؤں کے غم

اِس عہد کا تو سب سے بڑا سانحہ ہے یہ
جو اُٹھنے والے سر تھے وہی ہو رہے ہیں خم

بدلی نہ دو دِلوں کی کہانی وہی رہی
آنچل تمہارا اور مری آستیں ہے نم

منظر مزاجِ یار کی پابندیوں کو چھوڑ
ہر ایک بات پر سرِ تسلیم کر نہ خم
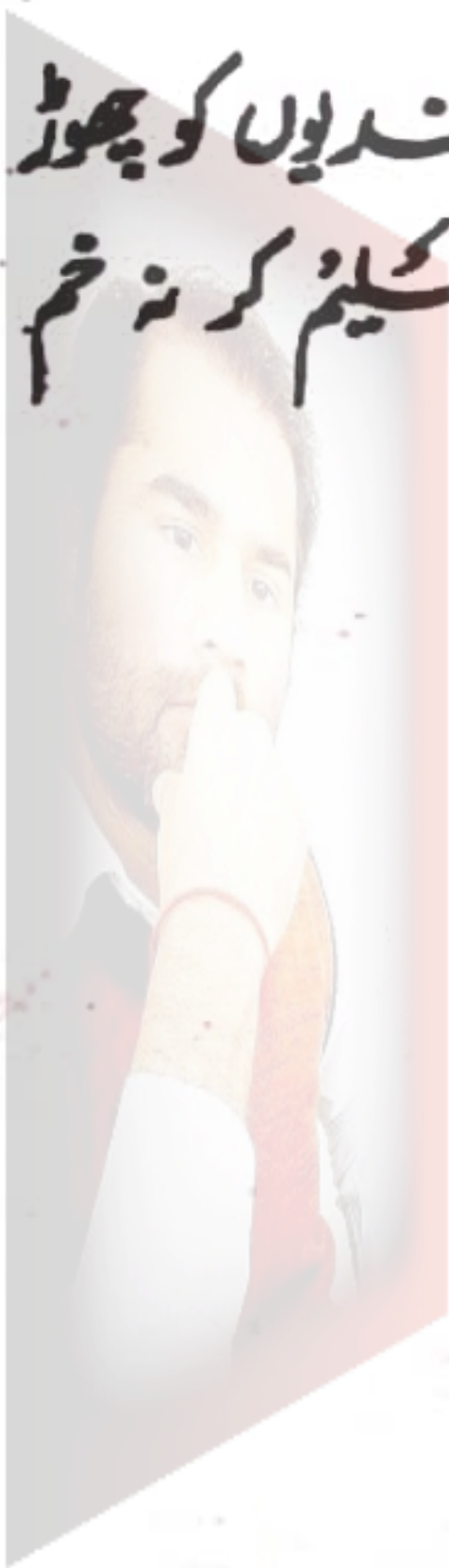
ایک عنایت وہ بھی تھی، ایک عنایت یہ بھی ہے
ہم پہ قیامت وہ بھی تھی، ہم پہ قیامت یہ بھی ہے

اُن کا سر تھا نیزہ پر، اپنا سر ہے ٹھوکر میں
ایک شہادت وہ بھی تھی، ایک شہادت یہ بھی ہے

پہلے سر کو جھکاتے تھے، اب سر کاٹے جاتے ہیں
ایک عبادت وہ بھی تھی، ایک عبادت یہ بھی ہے

ہم دھرموں کے بیری ہیں، ہم کو دیش کی چاہ نہیں
ہم پر تہمت وہ بھی تھی، ہم پر تہمت یہ بھی ہے

کل جو قلم سچ لکھتا تھا، جھوٹ کو اب سچ کرتا ہے
ایک صحافت وہ بھی تھی، ایک صحافت یہ بھی ہے

ہم سونے کی چڑیا تھے، اب دامن پھیلاتے ہیں
ہائے رے عظمت وہ بھی تھی، ہائے رے ذلّت یہ بھی ہے
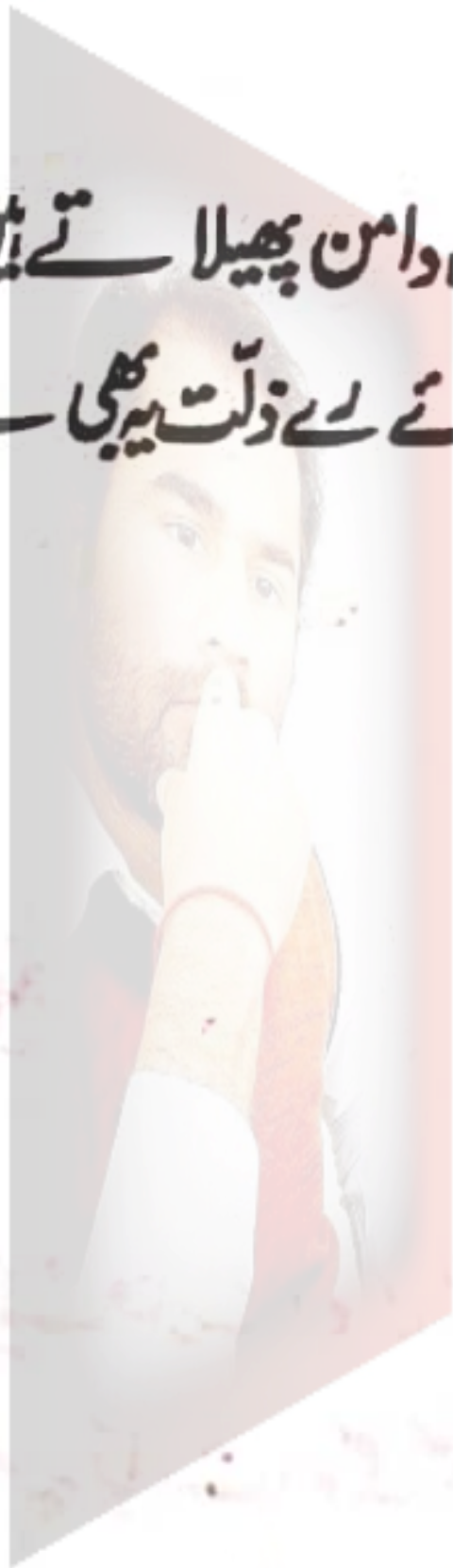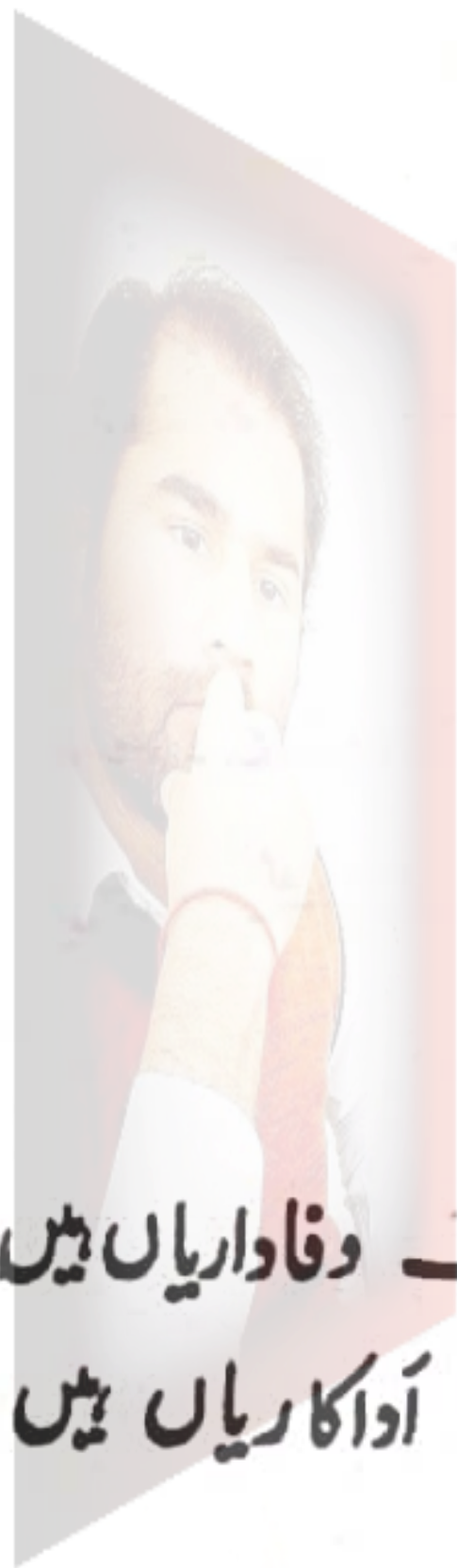
وفاداریاں کب، وفاداریاں ہیں
اداکاریاں ہی اداکاریاں ہیں

یہ غربت، یہ آتنک یہ فرقہ پرستی
سبھی میرے بھارت کی بیماریاں ہیں

لبوں پر ہیں امن و محبت کے نغمے
حقیقت میں کچھ اور تیاریاں ہیں

کتنے خشک غربت نے ماؤں کے سینے
اُداس اب تو بچوں کی کلکاریاں ہیں

انھیں زخمِ دل کہہ کے رُسوا نہ کیجے
مرے دوستوں کی یہ گُل کاریاں ہیں

ہواؤں سے کہہ دو نہ بکھرائیں مجھ کو
مری راکھ میں اب بھی چنگاریاں ہیں

زمانے سے ایمان اُٹھ سا گیا ہے
جدھر دیکھئے چھل ہے، عیاریاں ہیں
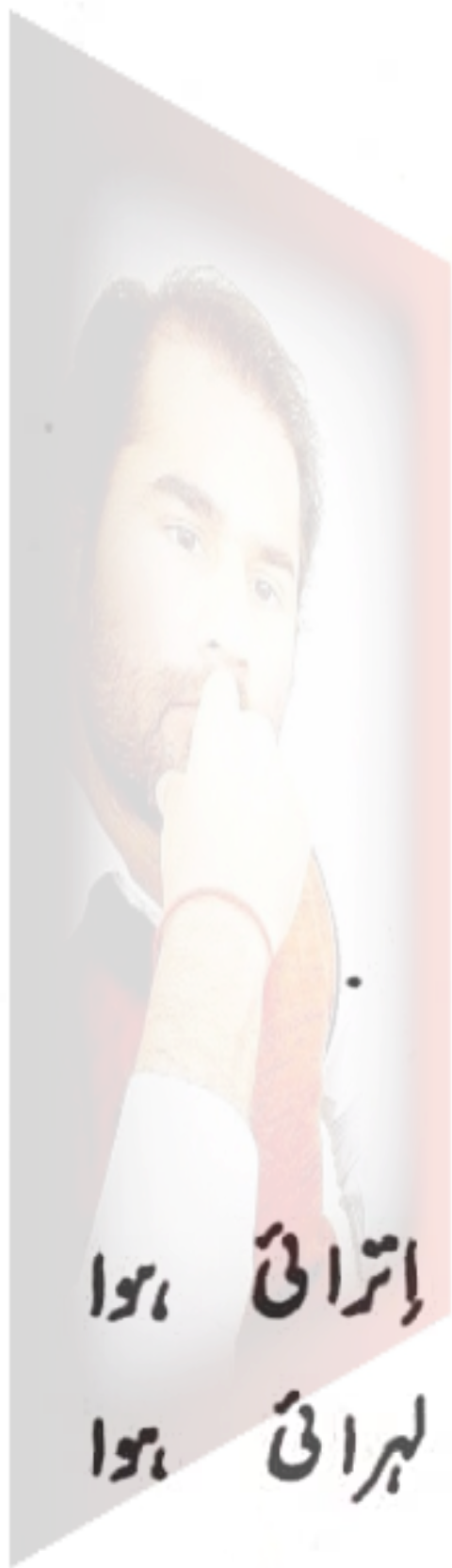
اُس کو چھو کر کتنی اِترائی ہوا
خوب جھومی، خوب لہرائی ہوا

لاج کی سانکل چڑھادی آپ نے
جب بھی کھڑکی کھولنے آئی ہوا

ایک بوڑھے پیڑ کو کر کے شہید
دل ہی دل میں خوب پچھتائی ہوا

ڈر گئی جنگل کو جلتے دیکھ کر
جوش میں پہلے تو گرمائی ہوا

تو نے آخر چھو لیا کس گھاؤ کو
پھر ہماری آنکھ بھر آئی ہوا

کر دیا تاراج سارے شہر کو
اور کیا کرتی یہ گھبرائی ہوا

چھت دھوپ کی ہے اور در و دیوار درد کے
وعدوں کا یہ مکان بڑا خوشنما سا ہے